اسلام کیا ہے؟

بنیادی اسلامی معلومات کا مختصر بے مثال خزینہ

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر محمد عظیم فاروقی

(پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ)

ناشر عظیم پبلی کیشنز

اسلام آباد ○ گوجرانوالہ

اسلام کیا ہے؟

بنیادی اسلامی معلومات کا مختصر بے مثال خزینہ

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر محمد عظیم فاروقی

(پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ)

○

ناشر

عظیم پبلی کیشنز

اسلام آباد ○ گوجرانوالہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں © ۲۰۱۹ء

نام کتاب	:	اسلام کیا ہے؟
مصنف	:	پروفیسر ڈاکٹر محمد عظیم فاروقی
ناشر	:	عظیم پبلی کیشنز۔ اسلام آباد۔ گوجرانوالہ
طابع	:	اے این اے پرنٹرز، لاہور
سال اشاعت	:	۱۴۴۰ھ ـــــ ۲۰۱۹ء
قیمت	:	۱۴۰/- روپے
تعداد	:	ایک ہزار

بسعی واہتمام

نصر اقبال قریشی

سیرت فاؤنڈیشن ۰ لاہور

○

مرکزی دفتر

عظیم ایجوکیشنل کانفرنس | عظیم پبلی کیشنز

58-A، سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ، فون: 055-3847070

○

اسلام آباد دفتر

راس آرکیڈ، آفس نمبر 9، گلی نمبر 124، سیکٹر G-13/4، اسلام آباد

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ نمبر
پیش لفظ	
اسلام کیا ہے	۱
اسلام کے معنی ومفہوم	۷
اسلام کا بنیادی مفہوم	۷
تکوینی اسلام	۷
شرعی واصطلاحی اسلام	۷
اسلام اور انسان	۸
ہر قوم کا دین اسلام تھا	۸
امتیاز کی وجہ	۹
بنیادی عقائد	۹
اللہ پر ایمان	۱۰
اللہ پر ایمان لانے کا مطلب	۱۰
شرک	۱۱
آخرت پر ایمان	۱۲
آخرت پر ایمان لانے کا مطلب	۱۲
آخرت پر ایمان لانے کی اہمیت	۱۲
شفاعت کا اسلامی تصور	۱۳
رسالت پر ایمان	۱۴
رسالت اور اس کی ضرورت	۱۴
رسول انسان ہی تھے	۱۵
منصب رسالت کی نوعیت	۱۵
رسالت کی ہمہ گیری	۱۵
تعلیمات رسول کی حیثیت	۱۵
انبیاء کی عصمت	۱۵
انبیاء کی حیثیت	۱۷
ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے	۱۷
رسالت محمدی ﷺ	۱۷
بنیادی اعمال	۱۸
ارکان اسلام	۱۸
توحید رسالت کا اقرار	۱۸
نماز	۱۹
دین میں نماز کی حیثیت	۱۹
نماز کی اہمیت	۱۹
نماز کے کچھ ضمنی مقاصد	۲۰
زکوٰۃ	۲۰
زکوٰۃ کی اہمیت	۲۰

صفحہ نمبر	مضمون
۲۱	زکوٰۃ کی مقاصد
۲۲	غریبوں کی کفالت
۲۳	دین کی نصرت
۲۳	زکوٰۃ کا نظم
۲۴	زکوٰۃ، صدقے اور انفاق کی مختلف اصطلاحیں
۲۴	**روزہ**
۲۴	روزے کی خاص اہمتیں اور مصلحتیں
۲۴	روزہ تقویٰ کا سرچشمہ ہے
۲۵	روزہ تقویٰ کا لازمی حصہ ہے
۲۵	روزہ اسلامی تصور تقویٰ کا آئینہ دار
۲۶	روزے کے بعض خاص ثمرات
۲۷	حصول مقاصد کی شرطیں
۲۷	**حج**
۲۷	حج کا مرتبہ
۲۸	کعبہ کی تعمیر اور اس کا اہمیت
۲۸	کعبہ کی تعمیر کا پس منظر
۲۹	حج کے مناسک
۳۰	حج اور جذبات عبودیت
۳۰	حج کی شان جامعیت

صفحہ نمبر	مضمون
۳۱	ارکان اسلام پر ایک مجموعی نظر
۳۱	**نظام حیات**
۳۱	دین کے مختلف تصورات
۳۱	اسلام میں رہبانیت نہیں
۳۱	اسلام صرف انفرادی زندگی پر محدود نہیں
۳۲	اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے
۳۲	روحانی نظام
۳۲	اخلاقی نظام
۳۳	منافق
۳۴	عائلی نظام
۳۴	میاں بیوی کی ذمہ داریاں
۳۴	معاشرتی نظام
۳۶	معاشی نظام
۳۷	سودی نظام کی نفی
۳۸	سیاسی نظام
۳۹	قانونی نظام
۴۰	قرآن کی پکار
۴۱	ہمارے سرکاری دفاتر میں اسلام
۴۲	یورپی اور اسلامی ریاستیں
۴۳	آؤ چین چلیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

اقبالؒ (جواب شکوہ، بانگ درا)

اسلام کا لفظ سنتے ہی کئی مثبت اور منفی رویے اور متضاد آراء اور قیاس آرائیاں نظروں میں گھوم جاتی ہیں۔ حالانکہ اس کے مادے (Root) سے اس کا مفہوم سمجھنے میں کوئی ابہام نہیں رہنا چاہیے۔ اس کا مادہ ''سَلَمْ'' اور ''تَسلِیمْ'' امن وسلامتی اور اطاعتِ خداوندی سے عبارت ہے کہ اللہ کی ہر مخلوق کو تحفظ وتکریم کا پیغام دیا جائے۔ جب اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ''اَسلِمْ'' (البقرہ) ''تو میرے آگے تسلیم ہوجا'' تو دست بستہ جواب عرض کیا۔

''اَسلَمتُ لِرَبِّ العٰلَمِینَ'' (البقرہ)

''میں جھک گیا اُس مالک خالق کے آگے جو کل کائنات کا روزی رساں ہے۔''

نبی کریم رؤف رحیم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسی حکم الٰہی (جل جلالہ) کو پیش نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اَلْمُسلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسلِمُونَ مِن لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ'' (ریاض الصالحین)

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامتی/

حفاظت میں رہیں۔"

افسوس کا مقام یہ ہے کہ آج اسلام کی ایسی بھونڈی اور غیر حقیقی تصویر کشی کی جا رہی ہے کہ "الامان والحفیظ" اپنے اور بیگانے سبھی افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ ایسے موقعہ کے لیے اقبالؒ نے فرمایا تھا جب وہ حقیقی اسلام سے آشنا ہو گئے

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند
کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے آبلہ مسجد ہوں نے تہذیب کا فرزند

لہٰذا ہر زمانے میں اہلِ حق کے لیے لازم ہے کہ وہ اسلام کا مفہوم اور پیغام خوب خوب سمجھ لیں اور اُس کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لیجانے کے لیے اپنی پر خلوص کاوشوں کو بروئے کار لائیں۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

ایک جلسہ عام میں حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ نے برجستہ جواب دیا کہ ہر خوبی اور کمال اسلام ہے اور جو خوب اور با کمال نہیں ہے وہ اسلام نہیں ہے، تو گویا جہاں وصف اور خوبی اپنے نقطہ کمال کو پہنچ جائے وہی اسلام کا بسیرا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ۹ رذی الحج سن ۱۰ ہجری میدان عرفات میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ اور فرزندان توحید کو سورۃ مائدہ کی آخری قرآنی آیت نازل فرما کر اتمام حجت کر دیا۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ
وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" (المائدہ)

"آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین نازل فرما کر اتمام حجت کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین (دستورِ حیات) پسند کیا ہے۔"

اس مختصر سے کتابچے میں اسلام کا مختصر مگر جامع مفہوم سمجھانے کی سعی جمیلہ کی ہے۔ بشریت کے تقاضوں کے پیشِ نظر اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو درگزر فرمائیں اور اصلاح کے لیے اپنی مخلصانہ آراء سے بھی مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں تصحیح شدہ مضمون زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جا سکے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے یہ لچک دی ہے
اُتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

(اقبالؒ)

پروفیسر ڈاکٹر محمد عظیم فاروقی، اسلام آباد

۰۹-۰۵-۲۰۱۹

انتساب

مرادِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اعدل الاصحاب، زینِ منبر والمحراب سیدنا و مولانا امیر المومنین

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ

اسلام کیا ہے......؟

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر ‌ ‌ ‌ نہ مہر و مہ حق نے بنائے ہیں کس لیے
یہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے ‌ ‌ ‌ ہم تو نے چاند سمجھے ہیں نہ سورج ہیں جانتے
ہم کو تو یہ دونوں نظر آتی ہیں روٹیاں ‌ ‌ ‌ دیوانہ آدمی کو بناتی ہیں روٹیاں

(نظیرا کبرآبادی)

سچی بات یہ ہے کہ بھوکے کی نظر روٹی پر، پیاسے کی رسائی پانی تک، شکر خورے کی شکر تک، ننگے کی لباس تک، بے اولاد کی اولاد تک، بے زر کی ابوذر تک......علیٰ ہذا القیاس......گُلّی، گُلّی، جُلّی (روٹی، کپڑا اور مکان)۔ نیز زن، زر اور زمین ہر انسان کی فطری جبلت میں شامل ہے۔ ارسطو (Aritotle) نے کہا تھا:

''انسان معاشرتی حیوان ہے''۔(Man is a social animal)

فلسفۂ تاریخ کے عظیم مورخ علامہ ابن خلدونؒ نے انسان کے ''مدنی الطبع'' ہونے پر دلائل دیئے ہیں۔ دنیا کی ہر سیاسی، معاشی، مذہبی اور فکری تحریک کے پیچھے یہی عوامل کارفرما نظر آتے ہیں۔ یہ چاہے انقلاب فرانس ہو یا برطانیہ، امریکہ ہو یا روس، صیہونی ہو یا نصرانی، ہندوی ہو چاہے سکھوی، کوئی تحریک اور انقلاب ان بنیادی تصورات وضروریات سے بے نیاز نہیں ہے۔

تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilizations) کے پیچھے بھی کہیں سیاسی اجارہ داری کی خواہش ہے، کہیں معاشی برتری کی اور کہیں مذہبی ونظریاتی سربلندی مقصود ہے جس کے پیچھے یقینی طور پر وہی محرکات ہیں جو نا قابلِ تردید حقیقت ہے۔ ''Might is Right'' (جس کی لاٹھی اُس کی بھینس) اور ''Survival of the Fittest'' کے فلسفہ کا کون انکار کرسکتا ہے۔ بقول حضرت اقبالؒ:

تقدیر کے ماضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہر جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات
آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن پے اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

اگر ان حقائق کو مدِ نظر رکھ کر میں اور آپ اس سوال کا جواب ڈھونڈیں کہ اسلام کیا ہے؟......

اس کی فکری اساس کیا ہے؟......

اس کے ماضی، حال اور مستقبل کی تصویر کیسی ہو یا ہوگی؟......

نیز اس کے ماننے والے اسلام کو کیا سمجھتے ہیں اور مخالفین اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟......

تو جوابات یقیناً چونکا دینے والے اور ورطۂ حیرت میں ڈال دینے والے ہوں گے۔ اس لیے کہ ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والا اس کی ایسی تصویر پیش کرنے کی کوشش کرے گا جیسا کہ وہ خود ہے یا اپنے زعم میں اُسے ہونا چاہیے۔

اگر ہم اس موضوع کو لے کر دیانتدارانہ سروے کریں اور متفرق شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے مردوزن سے مذکورہ بالا سوال کریں تو شاید ہی دو طبقے ایسے نکلیں جن کا موقف ایک سا ہو۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ آپ کے خیال میں اسلام کیا ہے؟

تو نام نہاد دنیادار مسلمان جن کا تعلق چاہے سیاست سے ہو یا سرکاری ملازمت سے، معیشت ہو یا صنعت سے، وکالت سے ہو یا ڈاکٹری سے، زراعت سے ہو یا شوبز (Showbiz) سے، کھیل کود سے ہو یا ادب سے، عموماً جواب یہ آئے گا کہ ہمارے خیال میں اسلام نماز، روزے وغیرہ کو کہتے ہیں، بس......

باقی رہی عملی اور سیاسی زندگی تو وہاں اس کے ساتھ چلنا ناممکن ہے۔ ویسے بھی مذہب تو انسان کا ذاتی معاملہ (Private/Personal Affair) ہے۔ اس میں کسی دوسرے شخص کو کلام کرنے کا حق نہیں ہے۔ یہ بندے اور خدا کا تعلق ہے۔ اور اسی طرح اگر واجبی دین داروں سے پوچھیں تو وہ شاید اسلام کو صرف دو چار رکعتیں نماز پڑھانے، نکاح و فوتگی کی چند رسومات ادا کرنے تک محدود کرنے کی عملی جسارت کریں گے۔ یا کچھ اگر مزید آگے بڑھ جائیں تو اسلام کو اپنے دھرم (مسلک) کی ترجمانی اور مخصوص وضع قطع اور طور طریقوں تک محدود کر دیں گے۔

آپ اس پریشانی اور تضاد کو ایک پرانی حکایت کے ذریعے احسن طور پر سمجھ سکتے ہیں جو بڑے بزرگوں کی کتابوں میں نقل ہے۔

کہتے ہیں کہ پرانے وقتوں میں جب پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا (Print and electronic media) کا شدید فقدان تھا، ایک دفعہ کسی گاؤں میں ایک ہاتھی لایا گیا۔ مخلوق نے بڑے اشتیاق اور وارفتگی کے ساتھ اُس کی زیارت کی، بلکہ دُور دُور کے دیہاتوں اور قصبوں کے لوگوں نے

طویل سفر کر کے اس دیوقامت جانور کو دیکھنے کا چارہ اور یارہ کیا، جس کے بارے میں انہوں نے صرف کتابوں میں پڑھا، یا بزرگوں سے سنا تھا، یا کہیں اس کی تصویر/فوٹو وغیرہ میں ملاحظہ کیا ہوا تھا۔ بہر حال حقیقت اور مجاز میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

ہاتھی کی آمد کے شور نے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ حکایت میں لکھا ہے کہ اُس گاؤں میں چار پانچ اندھے بھی رہتے تھے۔ لوگوں کی پُر اشتیاق گفتگو اور تجسس بھرے تبصروں نے ان کے دل میں بھی شوق بھر دیا کہ وہ بھی ہاتھی کو دیکھنے کی سعادت حاصل کریں، چاہے ٹٹول کر ہی سہی۔

کیونکہ جو کوئی بھی، چھوٹا بڑا، مرد عورت ہاتھی کو دیکھ آتا وہ اس مخلوق کا اس قدر میں مبالغہ آمیزی سے ذکر کرتا کہ ان اندھوں کے شوقِ دیدار کو مہمیز لگتی گئی اور وہ کسی نہ کسی طرح گرتے پڑتے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں ہاتھی صاحب کھڑے گنے چوس رہے تھے اور عوام کا جمِ غفیر اور گویا کہ پورا میلہ اُس کے گرد کھڑا نمائش کر رہا تھا۔

کوئی ہاتھی کے کانوں کا سائز بیان کر رہا تھا تو کوئی اُس کے لمبے لمبے دانتوں پر متعجب تھا۔ کسی کے لیے ہاتھی کا پانی پینے کا انداز دل فریب تھا تو کسی کو بھائی ہاتھی کی لمبی ٹانگوں اور مضبوط کھال حیران کر رہی تھی۔ کوئی کوئی کہانی گھڑ رہا تھا تو کوئی اپنی پیشہ ورلغت (Professional Vocabulary) سے مناسب الفاظ کا چناؤ کر کے ہاتھی کا تصویری نقشہ بنانے کی جسارت کر رہا تھا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ اب پتہ چلا کہ یہ محاورہ کیوں بولا جاتا ہے:

”ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور......“

الغرض اُن پانچ اندھوں نے عوام سے اور ہاتھی کے مالک سے منت کی کہ وہ انہیں اس سرکسی ہاتھی کے قریب ہو کر اس کو ٹٹول کر دیکھنے کا موقعہ فراہم کریں۔ پہلے تو عوام نے کوئی توجہ نہیں دی لیکن ان کے اجتماعی احتجاج اور منت سماجت نے مالک کا دل رام کر لیا اور بچوں اور جوانوں کو ہمت سے پیچھے دھکیل کر اُن پانچوں اندھوں کو ہاتھی میرا ساتھی کے قریب کر دیا۔

اب کیا ہونا تھا، وہ پانچوں نابینا ہاتھی پر گویا پل پڑے اور جوشِ اشتیاق میں جو ہاتھی کا عضو ہاتھ لگا، اُسی کو ہاتھ پھیرنا اور مسلنا شروع کر دیا۔ چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ ہاتھی نے کسی سبب سے چنگھاڑنا شروع کر دیا جس سے خوف زدہ ہو کر چند نوجوانوں نے آگے بڑھ کر زبردستی اندھوں کو ہاتھی سے پیچھے کو کھینچ لیا کہ کہیں کوئی اندھا بے موت نہ مارا جائے۔

مخلوق تو ہاتھی دیکھنے دکھانے میں مصروف رہی لیکن اُن پانچوں اندھوں کے لیے اب وہاں

ٹھہرنے میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہی تھی، لہٰذا وہ واپس اپنے گاؤں کو چل پڑے۔ جن سڑکوں پر وہ روز اپنی لاٹھی کے سہارے چلتے تھے، چلتے چلتے واپسی پر وہ پانچوں اندھے انتہائی جوشِ فرحت میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے:

''اوئے انّیو! فیر ہاتھی ویکھیا جے؟'' (اے نابینا بھائیو! کیا ہاتھی دیکھ لیا ہے؟)

جس کے حصے میں ہاتھی کے کان آئے تھے وہ کہنے لگا، بھئی ہاتھی کیا تھا اُس کے کان تو بڑے بڑے چھاج (دانے صاف کرنے والا زرعی اوزار) کی طرح تھے۔

دوسرا بولا، یار! ہاتھی نہیں اُس کی سونڈ تو بڑی لمبی ڈانگ (لمبا بانس) سی۔

تیسرا، جس نے ہاتھ کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تھا، وہ کہنے لگا کہ اُس کا پیٹ کیا تھا، وہ تو پورا چھت تھا۔

دم پکڑنے والے نے اپنی تمثیل گھڑی اور ٹانگیں پکڑنے والے نے اُس کو شہتیر کی مانند کہہ دیا۔
اور اسی بات پر خوش ہو رہے تھے کہ ہم نے تو ہاتھی کو خوب دیکھ لیا ہے اور مکمل اُس کا مشاہدہ بھی کر لیا ہے۔
اُس کا یہ رنگ تھا، وہ آنکھیں تھیں، ایسے چمڑی تھی، ویسے دمڑی تھی، وغیرہ وغیرہ۔

مولانا رومؒ لکھتے ہیں کہ ہاتھی حقیقت میں کسی بھی اندھے نے پورا نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی وہ دیکھ سکتے تھے، تاوقتیکہ اُن کو آنکھوں کی بینائی مل جاتی۔

پھر مولانا رومؒ مست بادۂ قیومؒ اس سے نتیجہ یہ اخذ کرتے ہیں کہ اکثر مواقع پر لوگ اُن اندھوں کی طرح جب کسی چیز یا واقعہ کو پورا مشاہدہ نہ کیا ہو تو محدود علم اور سنی سنائی باتوں کو جوڑ توڑ بلکہ مروڑ کر اپنی کہانی خود ہی گھڑ لیتے ہیں اور اسی کو علمِ کل اور اپنے آپ کو عقلِ کل، معصوم عن الخطا، اعدل، اعقل، اور اعلم کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہو جانے کے دعوے دار بن بیٹھتے ہیں۔

اور باقی ہر دوسرے کو نالائق، ناہنجار، بے وقوف، احمق، طمع پرست، جاہل، ناقص العقل، منافق، بے دین، بے ہودہ اور نجانے کیا کیا گندے القابات، الزامات اور افتراءات باندھتے پھرتے ہیں۔

معزز قارئین کرام! کچھ ایسا ہی حال ہم نے اسلام کا کر دیا ہے۔ ہر ایک نے اپنا اپنا اسلام بنا لیا۔ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی طرح ہر کوئی اپنی بین بجانے میں مست الست ہے۔ کوئی ان اندھوں کی طرح یہ ماننے اور سننے کو تیار ہی نہیں کہ اُس نے پورا ہاتھی نہیں دیکھا ہے، بلکہ صرف اپنی بساط، ظرف، محدود عقل و علم اور ناقص معلومات کو ہی حرفِ آخر سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ اللہ کا بھی فرمان ہے کہ:

فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ. (یوسف:۷۶)

ترجمہ: ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے۔

جب حضرت موسیٰؑ نے بڑا عالم ہونے کا دعویٰ کیا تھا تو انہیں اللہ تعالیٰ نے مرج البحرین (جہاں دو دریا ملیں) کے پاس جانے کا مشورہ دیا تھا جہاں انہیں حضرت خضرؑ ملنے والے تھے جو اُن سے بھی خاص علم کے مالک تھے جن کو صرف ظاہری علم اور آنکھ والے نہیں پا سکتے۔ اور واقعی جب حضرت خضرؑ نے نئی کشتی کا تختہ توڑ دیا، بے وفا لوگوں کی ٹوٹی دیوار بنا ڈالی اور ایک معصوم بچے کی جان لے لی تو حضرت موسیٰؑ چیخ اٹھے، جس پر ان دونوں بزرگوں کے راستے جدا ہو گئے، لیکن جدائی سے پہلے حضرت خضرؑ نے تمام واقعات کی سچی تصویر ضرور دکھا دی۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شوق اور حسرت بھرے لہجے میں فرمایا کہ کاش حضرت موسیٰؑ چپ رہتے اور ہمیں مزید ایسی پُر حکمت چیزیں مل جاتیں جو حضرت خضر (علیہ السّلام) کو اللہ نے عطا کر رکھی ہیں۔ لیکن ہائے افسوس! آج ہمارے اسلام کے ساتھ بھی ایسا ہی المیہ اور سانحہ پیش آ رہا ہے جس پر علامہ اقبالؒ نے گویا رو کر اپنی مشہورِ زمانہ طویل نظم شکوہ اور جوابِ شکوہ میں بیان کیا ہے کہ:

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

حضور والا! آج ہمارے ساتھ بھی اپنوں اور غیروں نے یہی ہاتھ کیا ہے اور پرانا کھیل کھیلا ہے اور ابھی تک کھیلنے میں مصروف ہیں اور ہم ہیں کہ بس۔

''زمین جُنبش، نہ جُنبش گل محمد''

والے حال حالات لے کر بیٹھے ہیں۔

آیئے ہم اپنے رویوں پر غور کریں اور اپنے معصوم بچوں اور بچیوں، اپنے طلبہ و طالبات کو اسلام کی حقیقی اور مکمل صورت دکھائیں اور تمام غیر مسلم جو یقیناً حضور اکرمؐ کی امتِ دعوت ہیں اُن کو بھی اسلام کی فطری تصویر دکھائیں جسے دیکھ کر اُن کی غیرت بیدار ہو جائے، جیسا کہ ارشاد رسالت مآب ہے کہ:

''کل مولاد یولد علی فطرة الاسلام ثم جعله والدینه یهودانه او یومجسانه او ینصرانه.''

ترجمہ: ہر نومولود تو فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اُس کے اپنے والدین اُس کو یہودی، مجوسی یا عیسائی بنا دیتے ہیں۔

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات
اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے

اقبالؒ

پھر اسلام کیا ہے......؟؟

آؤ اس کے جواب کو سمجھنے کے لیے پہلے ایک خاکہ (Layout/ Outline) تیار کریں، تا کہ بات سمجھنے سمجھانے کے قریب آسکیں اور ہم خود سمجھ کر کسی دوسرے کو بھی صحیح طور پر سمجھانے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ صرف کلمہ پڑھنے والوں کو کافر، مشرک، بدعتی اور بے دین بنانے پر نہ کمربستہ ہو جائیں بلکہ روٹھے ہوؤں کو منائیں، دور والوں کو قریب بلائیں، ساتھ بٹھائیں، سینے سے لگائیں اور حقیقی اسلامی اخوت کی جیتی جاگتی تصویر/تعبیر بن جائیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ. (الحجرات:۱۰)

ترجمہ: بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

پھر فرمایا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا. (آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو۔

اسلام کیا ہے......؟؟

۱۔ اسلام کے معنی ومفہوم (تکوینی وتشریعی اسلام)

۲۔ اسلام اور انسان

۳۔ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ

الف: بنیادی عقائد (توحید، آخرت، رسالت)

ب: بنیادی اعمال (ارکانِ اسلام: نماز، روزہ، زکوۃ، حج)

۴۔ اسلام بطور نظامِ حیات (روحانی، اخلاقی، عائلی، معاشرتی، معاشی، سیاسی، قانونی)

۵۔ خلاصۂ کلام

اسلام کے معنی ومفہوم

اسلام کا بنیادی مفہوم

اسلام کے معنی ماننا یا فرمانبرداری کے ہیں۔ لیکن دینی زبان میں تابعداری صرف اللہ کے لیے ہو اور وہ انسان جو احکامِ الٰہی کے مطابق چلے، مسلم ہوتا ہے۔

تکوینی اسلام

احکامِ الٰہی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ تکوینی اور تشریعی۔

تکوینی احکام ان حکموں کو کہتے ہیں جن پر چار و ناچار عمل کرنا ہی ہوتا ہے اور اُن کی خلاف ورزی ناممکن ہوتی ہے۔ جیسے زندگی، موت وغیرہ۔ اس طرح کے احکام کو قوانین طبیعی اور قوانین قدرت بھی کہتے ہیں۔

تشریعی احکام اللہ تعالیٰ کے ان حکموں کو کہتے ہیں جن کی پیروی پیدائشی مجبوری کے ساتھ نہیں ہوتی، بلکہ آزاد مرضی کے ساتھ ہوتی ہے۔ مخلوق کو ان پر عمل کرنے کا بھی اور نہ کرنے کا بھی اختیار حاصل ہوتا ہے۔ ان احکام کو ''شرعی احکام یا شرعی قوانین'' کہتے ہیں۔

یہ دونوں قسم کے احکام یکساں طور پر اللہ ہی کے احکام ہیں۔ چونکہ ''اسلام'' اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کا نام ہے اس لیے ان میں سے ہر ایک کی اطاعت اسلام ہی ہوگی۔ چونکہ جمادات سے لے کر انسانوں اور فرشتوں تک کوئی ایک بھی مخلوق اللہ تعالیٰ کی سرتابی نہیں کر سکتی اور وہ تکوینی اور تشریعی احکام کی بجا آوری کی پابند ہے، اس لیے تمام مخلوقات کا دین ''اسلام'' ہی ہے۔

یہ بات کہ بے ارادہ اور بے اختیار مخلوقات کا دین بھی ''اسلام'' ہی ہے، اور وہ سب کے سب مسلم ہیں لیکن انہیں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ چونکہ تکوینی قسم کے ہیں اس لیے ان کے اسلام کی نوعیت بھی تکوینی یا پیدائشی اسلام کی ہوگی، اور ان کو تکوینی یا پیدائشی مسلم کہا جائے گا۔

تشریعی اور اصلاحی اسلام

ایسی مخلوق جو ارادہ اور اختیار کی آزادی رکھتی ہے، وہ بھی فطری طور سے بہت سی باتوں میں پہلی مخلوق کی طرح بے اختیار بھی ہیں۔ لیکن بعض معاملات میں مجبور و بے اختیار نہیں ہیں، بلکہ پیدائشی طور پر انہیں اس بات کی آزادی ملی ہوئی ہے کہ ان معاملات میں جو روِیہ بھی چاہیں اختیار کریں۔ اس سلسلے میں اسے فرمانبرداری اور نافرمانبرداری کی اجازت ملی ہوئی ہے۔ با اختیار دائرے میں ان کے ''اسلام'' کو

تشریعی اوراختیاری ''اسلام'' کہنا چاہیے۔ کیونکہ وہ تکوینی احکام کے ساتھ تشریعی احکام کے پابند ہیں اس لیے شریعت کی اصطلاح میں کسی شخص کو ''مسلم'' صرف اُسی وقت کہا جاتا ہے جبکہ وہ تکوینی احکام کی جبری اورتشریعی احکام میں رضامندانہ طور سے جھک چکا ہو۔

اسلام اورانسان

جن مخلوقات کو آزادی ارادے اور اختیار سے عطا کی گئی ہے انسان بھی انہی میں سے ایک ہے۔ بلکہ وہ اس معاملے میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ عطا ہوا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی مخلوق کے لیے ان کے اعمال پر سزا و جزا مقرر کی ہوئی ہے۔ جیسے کہ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے، ''اور جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، ان کے لیے کوئی اندیشے کی بات نہیں۔ اور جو لوگ انکار کے راستے پر چلیں گے، اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے، وہ دوزخ والے ہوں گے۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے کوئی خبردار کرنے والا ''پیغمبر'' پیدا کیا، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری کی تلقین کرے۔ مبادا کہ وہ لوگ روزِ محشر یہ سوال نہ کریں کہ ہمیں کوئی ہدایت دینے والا نہیں تھا۔

ہر قوم کا دین اسلام تھا

تشریعی احکام کے وہ سارے مجموعے جو پہلے دن سے آج تک آئے ہیں، سب کے سب اللہ تعالیٰ ہی کے بھیجے ہوئے تھے، اس لیے ان میں سے ہر ایک کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھی۔ اسی بنا پر اُن کا ہر مجموعہ احکام الٰہی، ہر ایک دین دراصل ''اسلام'' ہی تھا۔ اور ان کے ماننے والے ''مسلم'' ہی تھے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جن پر قرآن شریف کی شہادت اور عقل کا فیصلہ دونوں متفق ہیں۔ اسی لیے حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو اور حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو کہا کہ ''اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ دین ''اسلام'' پسند کیا ہے۔ سو دیکھنا آخری سانس تک ''مسلم'' اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار رہنا۔''

اس طرح قرآن مجید میں بھی اسی قسم کی صراحتیں بہت سے پیغمبران علیہم السلام اور انبیاء کے بارے میں بھی کہی گئی ہیں۔ اور صاف طور سے کہا گیا ہے کہ وہ اور اُن کے پیرو سب کے سب ''مسلم تھے اور سب کا دین ''اسلام'' ہی تھا۔

''اسلام'' نام صرف آخری دین کا ہے۔

اس حقیقت کی موجودگی میں کہ تمام پیغمبران ماسلف کے لائے ہوئے دین کا نام یکساں طور پر

اسلام اور ان کے پیروں کو ''مسلم'' ہی ہونا چاہیے۔ لیکن صورت واقعہ یہ نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ قرآن کی خاص اصطلاح میں ''اسلام'' نام صرف اسی ایک دین کا ہے جسے وہ خود پیش کرتا ہے اور جس کو آخری نبی حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اتارا گیا ہے اور ''مسلم'' کا لفظ بھی آخری دین کے ماننے والوں کے لیے ہے۔ قرآن کریم کی زبان سے ''الاسلام'' سے مراد ''اسلام'' کے عام مفہوم سے نہیں ہے بلکہ خاص اسی دین اور مجموعہ احکام الٰہی سے ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے، ''بلاشبہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول دین ''الاسلام'' ہے۔''

اگرچہ معنوی اور صفاتی طور پر وہ لوگ جو پچھلے زمانوں میں کسی نبی پر ایمان لائے تھے، مسلم ہی تھے۔ لیکن یہ شانِ امتیاز صرف اسی آخری دین کے ماننے والوں کو حاصل ہے کہ معنوی طور پر ''مسلم'' ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری نام و لقب بھی ان کا ''مسلم'' ہے۔ قرآن مجید میں جب بھی کسی امت یا گروہ کو ''الاسلام'' کہتے سنا ہوگا تو وہ اس کا صفاتی نام ہوگا، اصطلاحی نام و لقب نہ ہوگا۔

امتیاز کی وجہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے جب دوسرے انبیاء اور مرسلین کے لائے ہوئے دین بھی اللہ کے بھیجے ہوئے تھے اور حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دین بھی اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے تو پھر اس دین کو دوسرے انبیاء کے دین ''اسلام'' پر کیوں فوقیت حاصل ہے۔ ہمارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم جملہ انبیاء ماسلف کے سردار ہیں اور وہ تمام صفات جو سابقہ انبیاء میں پائی جاتی تھیں وہ جملہ صفات بدرجۂ اتم آپ کی ذاتِ گرامی میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت کی ہوئی تھیں اور کوئی پیغمبر بھی اپنے وقت میں دین کو مکمل نہ کر سکا۔ اس واسطے رب العزت نے بار بار مختلف علاقوں اور قبیلوں کے لیے راہِ ہدایت دکھانے کے لیے نبی بھیجے تھے۔ مگر حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دین اکمل ہونے پر آئندہ انبیاء بھیجنے پر پابندی عائد کر دی۔ اسی واسطے آپ کو ختم المرسلین کا درجہ اور فخر حاصل ہے اور آپ تمام انبیاء کے سردار ہیں۔

ان تفصیلات سے مراد ''اسلام'' اور ''مسلم'' کے الفاظ جب عرف اور نام کے طور پر بولے جاتے ہیں تو اسلام سے مراد وہ دین ہے جو نبی آخر الزماں لے کر آئے تھے اور مسلم سے مراد صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو اس دین کو سچے دل سے مان کر اس کی پیروی اختیار کریں۔

بنیادی عقائد

اسلام کی تعلیم دو حیثیتوں پر مشتمل ہے؛ اصولی اور عملی۔

اصولی تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اسے اصطلاح میں ایمانیات یا عقائد کہا جاتا ہے۔

ایمانیات کو عمل پر فوقیت حاصل ہے۔ اس لیے جب تک ایمانیات یا عقائد وجود میں نہ آئیں، باقی اسلام کے وجود میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن شریف کہتا ہے، "بلکہ نیکی صرف اُس شخص کی ہے، (۱) جو ایمان رکھتا ہو اللہ پر، (۲) آخرت پر، (۳) فرشتوں پر، (۴) آسمانی کتابوں پر، (۵) اور نبیوں پر...الخ"

اس کے علاوہ ایک چیز اور بھی عقائد میں شامل ہے اور وہ ہے تقدیر پر ایمان، یعنی تقدیر کی بھلائی اور برائی پر۔ یہ ہیں اسلام کے وہ چھ عقائد جن سے اس کا پورا نظام شریعت وجود میں آیا ہے۔ لیکن ان عقائد میں بھی سب کی اہمیت یکساں نہیں ہے بلکہ بعض کی زیادہ اور بعض کی کم۔ پہلے تین عقائد بنیادی حیثیت کے حامل ہیں اور باقی دراصل انہی تینوں کے لازمی تقاضوں اور شاخوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اللہ پر ایمان

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب

۱۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے اس کے وجود پر یقین رکھا جائے۔

۲۔ اسے ان تمام اچھی صفات سے جن کی وضاحت قرآن اور صاحب قرآن نے فرمادی ہے، پوری طرح متصف مانا جائے۔

۳۔ ان اختیارات کو اسی کے لیے مخصوص سمجھا جائے جو ان صفات کے لازمی تقاضے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۴۔ ان حقوق کو بھی انہی کے لیے مخصوص مانا جائے جو ان چیزوں سے فطری طور پر وابستہ ہیں اور جن کے مانے بغیر ان صفتوں کا مانا جانا بے معنی ہو جاتا ہے۔ جب تک کوئی شخص خدا تعالیٰ کے وجود کو ہی نہ مانتا ہوگا اُس پر ایمان کیا رکھے گا۔

البتہ باقی چیزیں اس طرح واضح نہیں ہیں۔ یہ بتایا جائے خدا تعالیٰ کی صفات کیا کیا ہیں اور ان صفات کے تقاضے کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے لیے اسے کس طرح کی صفات کا مالک باور کرنا چاہیے؟ اس لیے یہاں صرف ان چند بنیادی صفات کا اور ان کے ضروری تقاضوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) وہ ازلی اور ابدی ہے۔ (۲) وہ خالق ہے۔ (۳) وہ پروردگار ہے، یعنی وہ رزق دیتا اور پرورش کرتا ہے۔ (۴) وہ مالک اور حاکم ہے، تمام مخلوق اس کی مِلک اور محکوم ہے۔ (۵) وہ علیم ہے۔

مخلوق کا کوئی کام اس کے علم سے باہر نہیں۔ یعنی اسے ہر چیز کا علم ہے۔ (۶) وہ حکیم ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (۷) وہ عزیز ہے۔ اس کے کسی کام کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ (۸) وہ عادل ہے۔ اس کے تکوینی اور تشریعی احکام عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ (۹) وہ مجازی ہے یعنی سزا اور جزا کا مالک ہے۔ (۱۰) وہ معبود ہے۔ صرف اُسی کی عبادت کرنا چاہیے۔ اسی سے دعائیں اور التجائیں کی جائیں۔ (۱۱) وہ احد ہے، یعنی لاشریک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ان بنیادی صفات میں صفتِ توحید ایک خاص امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ صفت تمام صفات ہی کا نقطہ کمال ہے۔ قرآن حکیم میں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بتاتے ہیں کہ عقیدہ توحید کے اہم اور بنیادی تقاضے یہ ہیں:

۱۔ اللہ کے سوا اور کوئی ہستی نہیں جو آپ سے آپ وجود میں آ گئی ہو۔ بلکہ کائنات کی ہر چیز مخلوق ہے۔ اسی کی ملک ہے۔ اور اسی کی محکوم ہے۔ وہ اپنے اندر صفات نہیں رکھتی۔ ہر وصف اللہ تعالیٰ کا عنایت کیا ہوا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی بنیادی طور پر تمام موجودات سے مختلف ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں، نہ وہ جسم اور نہ ہی جسمانی صفات رکھتا ہے۔

۳۔ صرف اللہ ہی ہے جس کی رضا جوئی کی انسان کو فکر کرنی چاہیے۔

۴۔ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ دعا بھی صرف اسی سے کی جا سکتی ہے۔ غیبی امداد اور نادیدہ پناہ صرف اللہ سے طلب کی جا سکتی ہے۔

۵۔ وہ جذبات اور احساسات جن کے اندر بندگی کی روح پائی جاتی ہو، اللہ کے لیے ہیں۔ تقویٰ، خوف اور محبت صرف اسی سے کی جائے۔

۶۔ اس پوری کائنات کا مقتدر اعلیٰ صرف اللہ ہی ہے۔ کوئی اور نہیں جس کے ہاتھ میں حقیقی اقتدار کا ذرّہ بھی ہو۔

توحید کے یہ بنیادی تقاضے اتنی اہمیت رکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا بھی انکار اللہ پر ایمان رکھنے کے دعوے کو باطل کر دیتا ہے۔ غرضیکہ کوئی شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک یہ عقیدہ اپنے اس پورے مفہوم کے ساتھ اپنا نہ چکا ہو۔

شرک

شرک کے معنی ساجھے پن کے ہیں۔ اور دین کی اصطلاح میں شرک نام ہے اس بات کا کہ اللہ کی

ذات یا اس کی صفات میں یا ان صفات کے لازمی تقاضوں میں کسی کو اس کا ساتھی ٹھہرایا جائے۔ گویا شرک کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ شرک جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتا ہے یعنی کسی کو اللہ کا ہم جنس قرار دیا جائے۔

۲۔ وہ شرک جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جن صفتوں سے متصف ہے ان میں سے کوئی صفت کسی اور کے اندر بھی مان لی جائے۔

۳۔ وہ شرک جس کا تعلق اس کی صفتوں کے لوازم سے ہوتا ہے یعنی صفات الٰہی کے جو لازمی تقاضے ہیں، انہیں اور ان سب کو اللہ ہی کے لیے مخصوص نہ سمجھا جائے بلکہ انہیں یا ان سے کسی کو بعض دوسری ہستیوں کے لیے ثابت اور موجود مان لیا جائے۔

ان تینوں قسموں میں سے چاہے جس قسم کا شرک بھی ہو، اس کی موجودگی میں توحید کا اسلامی عقیدہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اور جہاں توحید باقی نہ رہ گئی ہو ممکن نہیں کہ وہاں ایمان موجود رہ گیا ہو۔ اور جہاں ایمان موجود نہ ہو وہاں اسلام کے وجود کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اسی لیے شرک کو قرآن نے سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ”خدا کے یہاں ہر چیز کی معافی ہے مگر شرک کی معافی نہیں۔“

آخرت پر ایمان

آخرت پر ایمان لانے کا مطلب

۱۔ چونکہ قرآن پاک ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کے مطابق کرنا ہی حق اور نیکی ہے اور اسے چھوڑ کر من مانا طریقہ اختیار کرنا گمراہی اور برائی ہے۔

۲۔ قیامت پر یقین رکھنا کہ روز محشر اپنے اعمال نیک و بد کے لیے جزا و سزا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، ضرور بھگتنی پڑے گی۔

۳۔ اس حساب کتاب اور فیصلے کے بعد ہماری زندگی کا دوسرا دَور اپنی پوری کیفیت کے ساتھ وجود میں آجائے گا۔ عمل صالح والے خوش بخت انسان جنت میں اور بدعمل والے بدبخت دوزخ میں ہمیشہ کی زندگی گزاریں گے۔

یہ ہے وہ چیز جسے آخرت کہا جاتا ہے اور یہ ہے اس آخرت پر ایمان لانے کا مطلب۔

آخرت پر ایمان کی اہمیت

اللہ تعالیٰ دنیا کے پیدا کرنے والا، عادل اور حکیم ہے۔ رحیم اور شکور (قدردان) ہے۔ مالک و

فرمانروا ہے اور اس دنیا میں اعمال کے اخلاقی نتائج دیکھے نہیں جا سکتے۔ ظالم پھولتا پھلتا اور حق پسند مصیبتیں اٹھاتا رہتا ہے۔ اس لیے اس زندگی کے بعد اگر اس کا موقعہ نہ آتا اور ہر شخص اپنے کیے کا بدلہ نہ پاتا تو اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف، حکمت، اور اس کی رحمت و حاکمیت کی صریح نفی ہو جاتی، اس لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا اور جزا و سزا کا انکار کرنا دونوں باتیں لفظوں کی حد تک اکٹھی ہو سکتی ہیں، لیکن حقیقت میں کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔

شفاعت کا مشرکانہ نظریہ

اللہ تعالیٰ کل کائنات کی سپر طاقت ہے اور آخرت کی جزا و سزا تمام تر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہوگی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے، ”بادشاہی اس دن اللہ کی ہوگی وہ اللہ کے درمیان فیصلہ کرے گا۔“ (الحج: ۵۶) کیونکہ وہ علیم اور عادل ہے۔ اس حقیقت کی موجودگی میں صحیح فیصلوں تک پہنچنے کے لیے کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی سلطنت کا تنہا فرمانروا ہے۔ وہ اپنی رعایا کے اعمال نیک و بد کا فیصلہ کرتے وقت کسی بزرگ ہستی کی سفارش کا محتاج نہیں، نہ کوئی ایسی سفارش کرنے کی جرأت کر سکے گا۔ اس قسم کی سفارش کا مشرکانہ خیال اللہ تعالیٰ کے عادل ہونے کی نفی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے، ”اس قسم کی سفارش کے متعلق“ ”اس دن کے آنے سے پہلے جس دن نہ کوئی لین دین ہوگا، نہ کوئی دوستی ہوگی، نہ کوئی سفارش ہوگی۔“

شفاعت کا اسلامی تصور

جہاں قرآن اور حدیث میں اس مشرکانہ نظریہ شفاعت کی بار بار تردید کی گئی ہے وہیں ایک قسم کے تصور شفاعت کا کھلا ثبوت بھی ملتا ہے۔ اور یہ بات اسلام کے تفصیلی عقائد میں بھی شامل ہے کہ قیامت کے دن مشروط بہ اذن اللہ کچھ لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ یہ شفاعت خاص اور محدود ہوگی۔ ضابطے اور اصول کے تحت ہوگی۔ وہ یوں ہے:

۱۔ شفاعت کا معاملہ پورے کا پورا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور شفاعت کے لیے زبان وہی شخص کھول سکے گا جسے اللہ تعالیٰ اس کا اِذن دے۔

۲۔ اس شفاعت میں وہ صرف ایسی ہی بات کہے گا جو ہر پہلو سے ٹھیک ہو اور ان حدود کے اندر جو سفارش ہوگی وہ قطعی غلامانہ عرض و معروض اور دعا و استغفار سے بال برابر بھی مختلف کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ کہے گا کہ اے مالک! اپنے فلاں بندے کے گناہوں کو معاف کر دے۔ اس کی کوتاہیوں سے درگذر فرما۔ اسے اپنی رحمت اور مغفرت کے دامن میں لے لے۔

یہ شفاعت کرنے والے کون لوگ ہوں گے اور جن کے حق میں شفاعت کی جائے گی وہ کون؟ اس سلسلے میں احادیث یہ بتاتی ہیں کہ شفاعت کرنے والے اللہ کے نیک اور مقرب بندے ہوں گے اور جن کے متعلق شفاعت کی درخواست کی جائے گی جن کا ایمان وعمل حساب کتاب کے وقت معیار سے ذرا کم ہوگا اور اس استحقاق میں کچھ کسر رہ گئی ہوگی۔ اسی کسر کو پورا کرنے کے لیے سفارش کی جائے گی۔ میدانِ حشر میں جہاں سب خاموش، سہمے، سر جھکائے کھڑے ہوں گے، کسی کو دَم مارنے کی جرأت نہ ہوگی، یہ یقیناً بڑی ہی عزت اور فخر کی بات ہوگی۔ جنہیں بات کرنے کی اجازت مل جائے اور پھر فرماں روائے کائنات کی طرف سے اس گزارش کے منظور کر لیے جانے اور ان بندوں کے بخش دیے جانے کا اعلان بھی ہو جائے۔ ایسی مغفرت کو رعائتی ضابطہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر ہے یہ بھی ایک ضابطہ جو اللہ تعالیٰ کی صفت توحید، صفت عمل، صفت حاکیت، اور صفتِ علم وعزت کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ اور جس سے قانونِ جزا وسزا کو ذرا بھی خراش نہیں لگتی۔

اس پوری تفصیل سے یہ حقیقت پوری طرح روشن ہوگئی کہ آخرت میں لوگوں کی مغفرت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بغیر نہ ہو سکے گی۔ اور پیغمبر اسلام کا بھی ارشاد ہے کہ ''کوئی شخص بھی محض اپنے عمل کے بل پر نجات نہ پا سکے گا'' اسی طرح یہ حقیقت بھی کچھ کم مسلّم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ''فضل وکرم'' بھی ایک ضابطۂ عدل رکھتا ہوگا۔ غرض مغفرت کا عملی انحصار بھی اصلاً انسان کے اپنے ایمان وعمل پر ہی ہے۔ اس بارے میں سب فیصلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوں گے۔

رسالت پر ایمان

رسالت اور اُس کی ضرورت

رسالت کے لفظی معنی سفارت اور پیغامبری کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں رسالت اُس سفارش کار کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں تک ایسے تشریعی احکام پہنچانے اور انہیں اپنی مرضی کی راہ بتانے کے لیے قائم کیا ہے۔ اس کا دوسرا نام نبوت ہے۔

اسلام نے انسان کو پیدا کرنے اور مقصد حیات کا جو فریضہ بنایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کا نام آتے ہی فطری طور پر اللہ کے احکام اور مرضیت کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کن باتوں کو پسند کرتا ہے اور کن کو ناپسند۔

۱۔ اس کے جواب میں پہلی چیز انسان کی اپنی عقل ہے۔ وہ اپنی عقل سے اپنی زندگی اور حقائق پر غور

کر سکتا ہے کہ پروردگار کی صفتیں اور ان صفتوں کے تقاضے کیا ہیں اور ہمارے لیے اس کے احکام کیا ہیں؟ غرض اس سلسلے میں عقل اور فہم وادراک کی رسائی ناممکن ہے۔

۲۔ دوسری چیز انسان کا اپنا وجدان اور اُس کی قوتِ قلب ہے۔ لیکن جب تک اللہ تعالیٰ اپنے احکام کا یقین نہ کر دے، انسان کا وجدان اور قوتِ قلب بھی کثیر المقاصد کامل پر عبور نہ پا سکی۔ غرضیکہ اس معاملے میں انسانی قوتوں کی بے بسی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے جس کے خلاف نہ عقل کچھ کر سکتی ہے نہ تجربہ ومشاہدہ زبان کھول سکتا ہے۔ تو اب اس کی اس ضرورت کے پورا ہونے کی شکل اس کے سوا اور کوئی نہیں رہ جاتی تھی کہ اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خارجی انتظام ہو۔

جس پروردگار نے انسان کی مادّی ضرورتوں کا سامان مہیا کرنے کے لیے اتنا بڑا انتظام کر رکھا تھا اس کی رحمت اور انصاف یہ کیسے گوارہ کرتا کہ وہ اس سے باخبر کرنے کا ضروری انتظام نہ کرے۔ چنانچہ اس نے یہ انتظام کیا اور یہی وہ انتظام ہے جسے دین کی اصطلاح میں رسالت کہا جاتا ہے اور جس واسطے سے یہ انتظام ہوتا ہے، اسے رسول کہتے ہیں۔

یہاں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ رسالت کے بغیر انسان اللہ تعالیٰ کے احکام سے واقف نہیں ہو سکتا۔ وہاں اس حقیقت کو بھی ماننا پڑے گا کہ رسالت پر ایمان لانا مومن اور مسلم بننے کے لیے لابدی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اللہ اور آخرت کو نہیں جانا جا سکتا۔

اصولی طور پر یہ بات مسلّم ہوچکی کہ رسالت پر ایمان اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ تو اب اس عقیدے کے ضروری تفصیلی جائزے کی طرف چلیے۔

رسول انسان ہی تھے

اللہ تعالیٰ نے انسانوں تک اپنے احکام بھیجنے کا ذریعہ ہمیشہ انسانوں کو ہی بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ''اور اے محمد! ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بنا کر، صرف آدمیوں کو ہی بھیجا تھا، جن پر عملِ وحی نازل کرتے تھے۔'' (یوسف:۱۰۹)

جن معلومات کے لیے رسالت کا تقرر انسانوں کے لیے تھا، اس کی بھی قرآن شریف نے نشان دہی کر دی ہے، ''اے نبی! ان سے کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور آباد ہوتے تو ہم ضرور ان میں آسمان کے کسی فرشتے کو ہی رسول بنا کر بھیجتے۔'' (بنی اسرائیل:۹۵)

یہ آیت رسالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ایک متعین ضابطہ بتاتی ہے کہ رسول کو اُسی جنس اور اُسی مخلوق سے ہونا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خود پیروی کر کے دوسروں کے سامنے عمل کا معیاری

نمونہ (اسوۂ حسنہ) پیش کر سکے۔ اس طرح اُس پر اترنے والا کلام الٰہی بھی اسی زبان میں ہوتا ہے جو زبان کہ اُس کی قوم بولتی ہے تا کہ کوئی واقعی زحمت یا عذر اس کے بھیجے ہوئے دین کے سمجھ پانے کی راہ میں حائل نہ رہ سکے۔

منصب رسالت کی نوعیت

رسالت اللہ تعالیٰ کا ایک خاص عطیہ ہے۔ اس کے ملنے میں انسانی کوشش اور ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ رسالت کے لیے انتخاب ایسے ہی شخص کا ہوتا رہا ہے جو اپنی مختلف صلاحیتوں اور قوتوں کے اعتبار سے اس عظیم اور مقدس منصب کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ''اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اُسے اپنی پیغمبری کس کے سپرد کرنی چاہیے تھی۔'' (انعام:۱۲۵)

رسالت کی ہمہ گیری

ہر قوم میں رسول کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم اس کی کسی ایک پشت سے کوئی رسول ضرور بھیجا گیا ہے تا کہ وہ قوم حجت اہتمام نہ کر سکے۔ کیونکہ وہ یکساں طور پر سبھی کا خالق، سبھی کا مالک، سبھی کا رَب اور سبھی کا اللہ ہے۔ اس کی رحمت سبھی کے لیے عام ہے۔

تعلیمات رسول کی حیثیت

نبی کی ساری تعلیم وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

اس کا مطلب ذرا وسیع ہے اور اس کی دو نوعتیں ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام متعین الفاظ میں خود براہِ راست یا فرشتے کے ذریعے سکھا دیئے ہوں۔

۲۔ دوسری یہ کہ اللہ کی طرف سے نبی کو جو احکام سکھائے یا بتائے گئے ہیں، انھی کو سامنے رکھ کر اللہ کی مرضیات کی ترجمانی کرتے ہوئے ان سے مزید احکام نکالے ہوں۔

گویا پہلی قسم کا ہونا اصلاً اور براہِ راست ہوتا ہے اور دوسری قسم کی تعلیمات کا اللہ کی طرف سے ہونا نبی کے اجتہاد کے واسطے ہوتا ہے۔

انبیاء کی عصمت

نبی معصوم ہوتا ہے اس سے فکر و اجتہاد کی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں نہ اعمال واخلاق کی لغزشیں، اگر کبھی کبھار نبی سے اجتہادی چوک ہو ہی جائے تو فوراً اسے متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے الہام یا وحی کے ذریعے اس کی تصحیح کر دیتا ہے۔ اس کی خصوصی نگرانی انہیں فکر واجتہاد کی غلطیوں اور اخلاق وعمل کی کوتاہیوں سے بچائے رکھتی ہے تا کہ اس کا دامن دائم داردھبوں سے پاک رہے۔ تب ہی نبوت کا کام

سرانجام پا سکتا ہے۔ نبی اپنے پیروؤں کے سامنے اسلام کا اور احکام الٰہی کا کامل اطاعت کا عملی نمونہ ہو۔

نہ صرف یہ کہ نبی معصوم ہوتا ہے بلکہ معصوم صرف نبی ہی ہوتا ہے۔ اللہ کے خاص برگزیدہ بندے اپنی فہم وبصیرت اور تقویٰ کی آخری حدیں طے کر کے معصومیت کی حدوں کو چھو سکتے ہیں، مگر غیر نبی معصوم نہیں ہو سکتا۔

انبیاء کی حیثیت

نبی کی مکمل اطاعت اور پیروی ضروری ہوتی ہے اور ایسا سمجھنا شرط ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا اسی لیے بھیجا کہ اِذن خداوندی کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔'' (انبیاء:۶۴) اور اطاعت بھی ظاہری حد تک نہ ہونی چاہیے، بلکہ دل کی رضا کے ساتھ۔ اپنے ایک نبی، نبی آخر الزماں کے حقِ اطاعت کا تذکرہ ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''پس نہیں، اے نبی! تمہارا رب گواہ ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اپنے آپس کے نزاعی معاملات میں تمہیں فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں اور پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں سے کوئی تنگی نہ پائیں، بلکہ اسے پوری آمادگی کے ساتھ قبول کر لیں۔'' (نساء:۶۵)

پھر یہ حقیقت کہ نبی دین وشریعت کے دائرے میں جو کچھ کہتا ہے وہ سب کا سب صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے، نبی کی اس حیثیت کو اور زیادہ مسلّم بنا دیتی ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں نبی کی اطاعت نہیں رہ جاتی، بلکہ فی الواقع خدا کی اطاعت بن جاتی ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا ہے، ''جو اللہ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے حقیقت میں وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔'' (نساء:۸۰)

ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے

رسالت پر ایمان اس وقت تک کچھ حقیقت نہیں رکھتا جب تک جملہ انبیاء ماسلف پر مکمل ایمان نہ ہو۔ بظاہر یہ سخت فیصلہ دکھائی دیتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو کسی ایک رسول کا انکار کرتے ہیں، سارے رسولوں کا منکر قرار دیا ہے۔

ہمیں معلوم ہو چکا کہ جو بھی رسول آتا ہے اسی لیے آتا ہے کہ اس کی اطاعت اذن خداوندی کے مطابق ہو۔ جو اللہ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے در اصل اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ ایسی حالت میں ایک رسول کا انکار بھی کفر وبغاوت کا آخری درجہ کیوں نہ ہوگا؟

رسالت محمدیؐ

رسالت کے متعلق جو تفصیلات آ چکی ہیں ان کی حقیقت عام اور اصولی وضاحت ہے نہ کہ مکمل

وضاحت۔ اسلامی عقیدہ رسالت کا مفہوم جس بات سے پورا ہوتا ہے وہ آخری رسول حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کی اطاعت اور پیروی کو ضروری تسلیم کر لینے کی بات، یعنی اصولی حد تک تو دوسرے انبیاء کی طرح آپ کو بھی رسول مانا جائے لیکن جہاں تک عملی پیروی کا تعلق ہے، اب آپ ہی کی پیروی ضروری ہے۔ جب تک اس خاص نکتے کو تسلیم نہ کیا جائے تب جا کر وہ رسالت کے اسلامی عقیدے پر ایمان لانے والا اقرار پاتا ہے۔ کیونکہ آپ خاتم المرسلین اور کل انبیاء کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس امتیازی حیثیت پر ایمان اور احکامِ الٰہی پر، جو قرآن پاک نے پیش کیے ہیں، عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

بنیادی اعمال

ارکانِ اسلام

عقائد کے بعد فطری طور پر اعمال کی بحث آتی ہے اس لیے اسلام کے اہم اور نمایاں احکام شریعت کا جائزہ لیا جائے تو یہ احکام شریعت پانچ اصولوں پر استوار ہیں۔ ان احکام کی خود نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نشان دہی کر دی ہے۔ اسلام کی تعمیر پانچ چیزوں پر ہوئی ہے۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے بعد کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، ان اعمال کو انجام دیئے بغیر دین کی دوسری تعلیمات پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ اعمال ٹھیک طور سے انجام پا جائیں تو باقی اعمال کا انجام پا جانا قطعی ممکن ہے (اسی لیے ان کو اسلام فرمایا گیا ہے)۔ الحدیث

ان اعمال کا تعین ہو جانے کے بعد جن کو سارے اعمال شریعت میں اوّلیت اور بنیادی حیثیت حاصل ہے، ان کے تفصیلی بیانات سنیے۔

توحید اور رسالت کا اقرار

توحید اور رسالت کا اقرار بظاہر صرف توحید اور رسالت محمدی کی گواہی ہے۔ مگر فی الواقع یہ پورے سلسلہ رسالت کی، ساری آسمانی کتابوں کی، آخرت کی، اور قضاء قدر کی، یعنی ساری ایمانیات کی گواہی ہے۔ علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اسلام کا اقرار و اعلان دل اور زبان سے بہ آوازِ بلند کرنا پڑے گا جو اسلامی عقائد میں زبردست اہمیت رکھتا ہے۔ جس شخص نے اسلامی عقائد کو مان لیا اس نے اپنے اسلام کی بنیاد جمالی اور پھر اس نے یہ بات دل سے کہہ دی اور دنیا کے سامنے اس کے حق

ہونے کی شہادت دے دی تو پھر اس نے اپنے دین کا پہلا ستون قائم کر لیا۔

نماز

دین میں نماز کی حیثیت

نماز ہی ایمان کا سب سے پہلا مظہر ہے۔ شہادتِ ایمانی کے بعد سب سے پہلے جس چیز کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ نماز ہے۔ گویا اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر انسان کے اندر ایمان موجود ہے اور اللہ کی عبودیت اور اپنی عبدیت پر اسے یقین ہے تو یہ یقین سب سے پہلے نماز کی شکل اختیار کرتا ہے۔

اسی طرح اگر قرآن شریف کو دیکھئے تو وہ بھی جگہ جگہ سب سے پہلے ایمان کے بعد نماز کا نام لیتا نظر آئے گا، مثلاً، ”اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے اعمال کیے اور نماز قائم کی۔“ (اعراف: ۱۷۰)

ایمان دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ یہی کیفیت ہے جو خارج میں نماز کی شکل اختیار کر لیتی ہے اس لیے جہاں ایمان ہو وہاں نماز ضرور ہوگی۔ آنحضرتؐ کے صاف اور صریح ارشاد کا فیصلہ ہے، ”جس نے جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑی اس سے اللہ بری ہے۔“ (احمد بحوالہ مشکوٰۃ)۔ ”بے شک انسان اور شرک و کفر کے درمیان علیحدگی پیدا کرنے والی چیز نماز ہے۔“ (مسلم)

اسی طرح قرآن مجید میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اہلِ دوزخ سے فرشتے پوچھیں گے، ”تمھیں جہنم میں کس چیز نے ڈالا؟“ تو ان کا جواب ان لفظوں میں ہوگا، ”ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔“ نماز دراصل اس بات کا ثبوت ہے کہ قیامت کے دن ایمان اور نماز لازم و ملزوم کی حیثیت سے نمایاں ہوں گے۔

نماز پوری شریعت کا سرچشمہ بھی ہے اور اس کی محافظ بھی۔ اگر یہ ادا ہوگئی تو شریعت کے باقی ارکان بھی ادا ہو سکیں گے۔ یوں سمجھئے کہ شریعت کے اندر نماز کی حیثیت وہی ہے جو انسانی جسم کے اندر دل کی ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ نماز کو احکام اسلام میں ایک مخصوص اور امتیازی حیثیت حاصل ہے، جس کی بنا پر وہ اکیلے بھی دین کا ستون کہی جاسکتی ہے۔ اگر وہ ہے تو گویا پورا دین موجود ہے۔

نماز کی اہمیت کیوں؟

نماز کیا چیز ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ قرآن مجید بتاتا ہے، ”میری یاد کے لیے نماز قائم

کرو۔" (طٰہٰ:۱۴) کیونکہ یہ اپنے رب سے قریب کر دیتی ہے۔ جس کے اندر ایمان کی تازگی موجود ہو، اس کا عمل نیکی اور خداترسی کا حامل ہے۔ اور اس کے وجود کو نماز کے وجود پر منحصر ہونا ہی چاہیے۔

نماز کے کچھ ضمنی مقاصد

نماز اپنے دامن میں برکتیں بھی رکھتی ہے جو انسان کو صحیح اسلامی ذہن اور مطلوبہ اسلامی زندگی عطا کرنے میں نمایاں حصہ لیتی ہیں۔ ان میں سے چند ایک کی تصریح کی جاتی ہے:

۱۔ نماز سے عملی طور پر اجتماعی زندگی نظم وضبط کے ساتھ انجام پاتی ہے۔ اسلام اپنے پیروؤں میں غایت درجہ کی محبت اور بھائی چارگی دیکھنا چاہتا ہے۔

۲۔ نماز سے اطمینان قلب پیدا ہوتا ہے جو روح کی غذا ہے۔ اس میں اپنے پروردگار سے صرف اپنی ہی ذات کے لیے دعائیں اور التجائیں نہیں کرتے، بلکہ سب کے لیے ہدایت مانگتے ہیں، سب کے لیے مغفرت چاہتے ہیں۔

۳۔ اسلام نے تمام انسانوں کو رنگ ونسب و دولت کی بنا پر فوقیت نہیں دی، برتری اگر کسی کو مل سکتی ہے تو صرف نیکی، تقویٰ اور خداپرستی کی بنا پر۔ نماز اس حقیقت کے شعور کو نمایاں طور پر اجاگر کرتی ہے۔ بقول شاعرِ مشرق:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

زکوٰۃ

زکوٰۃ کی اہمیت

اسلام کا تیسرا ستون زکوٰۃ ہے۔ اس کا مقام نماز کے مقام سے ایک ہی درجہ نیچے دکھائی دے گا۔

قرآن مجید میں بکثرت مقامات پر ان دو اعمال صالح کا تذکرہ آتا ہے، "بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے صالح اعمال کیے، نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہوگا۔" (بقرہ:۲۷۷)

اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نماز اور زکوٰۃ ہی دو چیزیں دین کی اصل عملی بنیادیں ہیں۔ ایک قسم ان احکام کی ہوگی جن کا تعلق اللہ کے حقوق سے ہے۔ دوسری قسم ان احکام کی ہوگی جن کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے۔ دینِ اسلام کی پیروی دراصل اس بات کا نام ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کے

بندوں کے حقوق سے عہدہ برا ہو جائے۔

قرآن اس بات کی بار بار تلقین کرتا ہے کہ دین وایمان میں زندگی اس وقت آسکتی ہے جب اللہ کی محبت ہر محبت پر غالب اور دنیا کی طلب پر آخرت کی طلب مقدم ہو۔ کسی مسلم کا مسلمان قرار پانا کلمہ شہادت ادا کرنے کے بعد بھی دو باتوں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ نماز قائم کرو، دوسری یہ کہ زکوٰۃ دے۔ جب تک وہ ایسا نہیں کرتا، اس کا مسلمان ہونا قابلِ تسلیم نہیں ہوسکتا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی بھی جان و مال اُس وقت تک احترام کے قابل ہے جب تک کہ وہ نماز کی طرح زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے۔

زکوٰۃ کے مقاصد

زکوٰۃ کا حقیقی اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کا دل دنیا کی حرص سے پاک ہو کر نیکی اور تقویٰ کے کاموں کے لیے تیار ہو جائے۔ صدقہ اور زکوٰۃ کی اصل غایت دل کی پاکی اور تزکیہ نفس ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔"

دنیاوی دھندوں سے دل کا آزاد ہو جانا اس کا پاک ہو جانا ہے۔ زکوٰۃ چونکہ قلب انسانی کو یہی آزادی عطا کرتی ہے اور انسان رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کی طرف تیزی سے بڑھتا اور نیکیوں کی طرف مائل ہوتا ہے اس لیے زکوٰۃ کا اثر دلوں کو پاک کرنے کے منفی عمل ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ تزکیہ نفس تک جا پہنچتا ہے۔

زکوٰۃ کے لفظی معنی پاکیزگی اور نمو کے ہیں۔ گویا ایک حصہ اپنی کمائی کا ضرورتمندوں کو محض رضائے الٰہی کی خاطر دینا، زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ اس سے نفس میں پاکیزگی آتی ہے۔

لیکن یاد رکھنا چاہیے، زکوٰۃ کا بنیادی مقصد تب پایا جا سکتا ہے جب کہ سچی نیت اور عملی اہتمام موجود ہو۔ جسے زکوٰۃ دیتے وقت یاد رکھنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم نے اس سلسلے میں واضح ہدایات دی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ زکوٰۃ دیتے وقت صرف رضائے الٰہی کی طلب ہی اس کا محرک ہو۔

۲۔ "تم اپنی دولت اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے ہو۔"

۳۔ جو زکوٰۃ دی جائے، وہ بجائے خود پاک کمائی میں سے ہو اور اس میں حرام کمائی کا شائبہ تک بھی نہ ہو۔

۴۔ زکوٰۃ میں جو چیز دی جائے وہ عمدہ قسم کی ہو۔

۴۔ زکوٰۃ لینے والے پر کوئی احسان نہ رکھا جائے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو سارا کیا کرایا اکارت جائے گا اور روزِ محشر باعثِ عذاب ہوگا۔

اس لیے زکوٰۃ دیتے وقت نفس کے شدید احتساب کی شدید ترین ضرورت ہے۔ یعنی کسی اظہار فخر یا کسی احساس برتری یا کسی جذبہ نمائش یا کسی طلب شکر گزاری یا کسی دل آزاری کا کیا سوال؟ زکوٰۃ دیتے وقت مومن کا دل کانپ رہا ہوتا ہے کہ کہیں شیطان کوئی کارستانی نہ کر بیٹھے۔

غریبوں کی کفالت

زکوٰۃ کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ملت کے نادار افراد کی مدد کی جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، ''بے شک اللہ نے اُن پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان میں کے حاجت مندوں کو دے دی جائے گی۔''

اسی طرح قرآن مجید ادائے زکوٰۃ ایک اچھے مسلمان کی ضروری صفت قرار دیتا ہے، ''وہ اپنا مال باوجود محبوب ہونے کے قرابت داروں کو، یتیموں کو، ناداروں کو، مسافروں کو، اور سائلوں کو دیتا اور گردنیں چھڑانے میں صرف کرتا ہے۔''

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا ایک خالص اجتماعی پہلو بھی ہے اور اس کے بغیر زکوٰۃ کا اسلامی تصور مکمل نہیں ہوتا، نہ اخروی نقطۂ نظر سے نہ دنیوی نقطۂ نظر سے۔

دین کی نصرت

زکوٰۃ کے ثانوی مقاصد میں سے دوسرا مقصد دین کی حفاظت اور نصرت ہے۔ یہ صدقات غریبوں، مسکینوں، محکمہ صدقات کے ملازموں، قرضداروں، اللہ کی راہ میں صرف کرنے اور مسافروں کی خبر گیری کے علاوہ اللہ کے دین کی خاطر کی جانے والی جدوجہد میں خصوصاً جنگی ضرورتوں میں دیئے جاتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دین کی حفاظت اور نصرت کے لیے مصارف کا فراہم نہ کرنا ہلاکت مول لینا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

زکوٰۃ کی مقدار

اللہ تعالیٰ نے اپنے نادار بندوں کی مادّی ضرورتوں اور دین کے سیاسی مفاد کو اتنی کم اہمیت نہیں دی ہے کہ ان کے بارے میں لوگوں کو ترغیبیں دے دیتا اور بات تمام تر ان کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیتا کہ جب چاہیں اور جتنے ٹکڑے چاہیں، بھوک کے نڈھال انسانوں کی طرف پھینک دیں۔ اس لیے ضروری تھا کہ زکوٰۃ کی ایک ایسی حد لازماً مقرر کر دی جائے جسے ادا کرنے کی حیثیت اخلاقی سے آگے بڑھ کر

قانونی بھی ہو تاکہ غریبوں کی کفالت اور دین کی حفاظت و نصرت کا کم از کم ابتدائی درجے میں انتظام بہر حال موجود رہے۔

زکوٰۃ کی یہ قانونی اور لازمی مقدار مختصر حسب ذیل ہے:

۱۔ زرعی پیداوار پر اگر آب پاشی کی ضرورت پیش آئی ہو تو پانچ فیصد ورنہ دس فیصد۔

۲۔ جمع شدہ رقموں، زیوروں اور تجارتی مالوں پر ڈھائی فیصد۔

۳۔ جنگل کی چرائی پر پلنے والے مویشیوں میں سے تقریباً ڈیڑھ سے اڑھائی فیصد تک۔

۴۔ معدنیات اور دفینوں میں سے بیس فیصد تک۔

اتنی زکوٰۃ کا ادا کرنا ہر صاحب نصاب (یعنی مالدار) مسلمان کے لیے اخلاقی ہی نہیں قانونی طور پر بھی ضروری ہے۔ اگر رضا کارانہ آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے تو مزید ثواب حاصل ہوگا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ''مال مسلم میں مقررہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی دوسروں کا ''حق'' ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان اپنے مال کی متعینہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی دین کے مالی مطالبات سے سبکدوش نہیں ہو جاتا۔ اگر لوگوں کے اخلاقی احساسات، معاشرے کی بھوک، اور ناداری قابو نہ پا رہے ہوں، یا دین کی حفاظت اور نصرت کا فرض ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ایسی حالت میں یہ ''حق'' اخلاقی سے قانونی بن جائے گا کہ وہ غرباء کی ضرورتوں اور دین کے مفاد کی خاطر مالداروں کے اوپر مزید بار ڈالے اور ان سے متعینہ مقدار کے علاوہ بھی مالیہ وصول کرے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اسلامی شریعت میں ''مالدار'' کا مفہوم دنیا کے عام تصورات سے بہت مختلف ہے۔ جس شخص کے پاس اس کے مالی سال کے آخر میں ساڑھے باون تولے چاندی، ڈلے، سکے یا نوٹ کی شکل میں موجود ہو، یا اتنی مالیت کا وہ تجارتی سامان رکھتا ہو، اس کے نزدیک وہ بھی ''مالدار'' ہے۔

زکوٰۃ کا نظم

جو صدقات قانونی شکل کے نہیں ہوتے انہیں تو آپ خود جس طرح چاہیں دے سکتے اور تقسیم کر سکتے ہیں، لیکن قانونی زکوٰۃ کے بارے میں آپ کو یہ آزادی حاصل نہیں ہے۔ پوری مملکت کی زکوٰۃ اسلامی حکومت اپنے ذریعے سے وصول کرے گی اور پھر وہی مستحقین میں تقسیم کر دے گی۔ زکوٰۃ حکومت کے ذریعے وصول کر کے تقسیم کیا جانا دین کی ایک مسلمہ دفعہ اور اسلامی نظام کی فطرت کا ایک معروف تقاضا ہے۔ حکومت کو زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

زکوٰۃ، صدقے، اور انفاق کی مختلف اصطلاحیں

اسلام نے صدقے کے لیے دو الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ایک ”صدقے“ کا، دوسرا ”انفاق“ کا۔ زکوٰۃ کی لغوی تحقیق شروع بحث میں گزر چکی ہے، اب دوسرے لفظوں کو بھی سمجھ لیجیے۔ ”صدقہ“ کا لفظ ”صدق“ سے نکلا ہے، جس کے معنی سچائی اور خلوص کے ہیں۔ گویا زکوٰۃ کو ”صدقہ“ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ دینے والے کے ایمان میں سچائی اور خلوص پیدا کرتا ہے۔

جہاں تک قرآن شریف کا تعلق ہے، اس میں یہ تینوں الفاظ (زکوٰۃ، صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ) ایک ہی مفہوم میں استعمال کیے گئے ہیں۔ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو کچھ بھی خرچ کیا جائے، وہ زکوٰۃ بھی ہے، صدقہ بھی ہے اور انفاق فی سبیل اللہ بھی ہے۔ لیکن فقہ نے ان الفاظ کے درمیان کچھ فرق کر دیا ہے۔ زکوٰۃ صرف اُس دینے اور خرچ کرنے کو کہتے ہیں جو فرض اور قانوناً ضروری ہو۔ صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ کی اصطلاحیں صرف رضا کارانہ خرچ کے لیے مخصوص ہیں۔

روزہ

اسلام کا چوتھا رکن روزہ ہے۔ روزے کا شرعی اصطلاحی نام ”صوم یا صیام“ ہے۔ جس کے لغوی معنی ”رکنے“ کے ہیں۔ اس عمل کو ”صیام“ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ اس میں انسان صبح کی پَو پھوٹنے سے لے کر سورج کی ٹکیہ غائب ہونے تک کھانے پینے اور جنسی رجحان سے رکا رہتا ہے۔

روزے کی خاص اہمیتیں اور مصلحتیں

روزے کے سلسلے میں جتنے بھی احکام اور ہدایات ہیں ان میں سے کچھ کی حیثیت بنیادی، بلکہ امتیازی قسم کی ہے جو ذیل میں درج ہیں:

روزہ تقویٰ کا سرچشمہ ہے

روزہ خداترسی کی صفت اور تقویٰ پیدا کرتا ہے یعنی یہ سمجھ لیا جائے کہ روزے سے تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ تقویٰ اللہ کی ناراضگی سے بچنے سے اس گہرے احساس کا نام ہے جو انسان کو اچھائی اور برائی کی تمیز دلاتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ تقویٰ ایک خاص قلبی کیفیت ہے جس سے ایک خاص عملی رویہ وجود میں آتا ہے اور یہ عملی رویہ اللہ کی اطاعت اور رضا جوئی کا رویہ ہوتا ہے۔ یعنی انسان اپنے نفس پر قابو پا کر اپنی نفسانی خواہشات میں اسے آزاد نہ چھوڑے، بلکہ احکامِ الٰہی کی اطاعت میں نفس اور شیطان کی ساری مزاحمتوں سے بخوبی نمٹ سکے۔

اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے جس سے روزے تقویٰ کا غیر معمولی ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ جس کی طرف خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے، ”روزے میں ریا نہیں ہوا کرتی۔“

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جب روزے کی یہ ایک مستقل صفت ہے کہ اس میں ریا نہیں ہوسکتی تو اس کے تقویٰ کا موثر ذریعہ ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟

روزے کی نوعیت دیگر عبادات سے جدا ہے۔ یعنی وہ کچھ اعمال یا حرکات کرنے سے وجود میں نہیں آتی، بلکہ ایسی خاموش عبادت ہے جس میں ریا کے شائبہ تک کا بھی امکان نہیں ہوسکتا۔ اس میں شک نہیں کہ انسان میں نیکی کا جوہر اور تقویٰ کا نور ہر عبادت پیدا کرتی ہے۔ لیکن رب العزت نے مخصوص اسی عبادت کو ”روزہ میرے لیے ہے“ فرمادیا ہے۔

انسان کے ہر عمل خیر کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک ملے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ ”وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا جتنا بھی بدلہ دوں گا۔“ (آخر) انسان اپنی شہوت نفس اور اپنا کھانا پینا میری ہی خاطر روکے رکھتا ہے۔ اور یہ ارشاد باری اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ روزے میں ریا نہیں ہے جو اللہ کو پسند نہیں جو تمام عبادات کی جڑ کاٹتی ہے۔

روزہ، تقویٰ کا لازمی حصہ ہے

روزے کی دوسری بڑی اہمیت یہ ہے کہ وہ انسان کے اندر تقویٰ کی مطلوبہ صفت پیدا کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔ روزے سے صحیح تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور کوئی عمل اس کا نعم البدل نہیں ہوسکتا۔

روزہ انسان کے اندر تقویٰ کس قدر پیدا کرتا ہے؟ یہ امر واقعی ہے کہ روزہ انسان میں ضبط نفس پیدا کرنے کا موثر اور بہت قریب راستہ ہے۔ اور یہ حیثیت ہے کہ روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں (ریا) دخیل نہیں ہوسکتی۔

روزہ اسلامی تصورِ تقویٰ کا آئینہ

دین کا جو تصور قرآن نے دیا ہے اس کے امتیازی خدوخال روزے کے آئینے میں سب سے زیادہ واضح شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ روزہ صرف عمل ہی کا تقویٰ نہیں بتاتا، بلکہ فکر و عمل کا بھی متقی بناتا ہے۔ وہ انسان کو صرف تقویٰ ہی نہیں دیتا بلکہ تقویٰ کا جامع اور مانع مفہوم بھی دیتا ہے۔ اور اس اجمال کی شرح وصراحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے ملتی ہے:

۱۔ جس نے زندگی بھر روزے رکھے، اس کا روزہ ”روزہ“ نہیں ہے بلکہ خواہ مخواہ اپنے کو عذاب دیا۔

۲۔ تمہیں دو یا دو سے زائد دنوں کو ملا کر بلکہ سحری بلا سحری افطار روزہ رکھنے سے دور رہنا چاہیے۔

۳۔ سفر میں ایسا روزہ نہ رکھا جائے جو قوتِ برداشت سے باہر ہو۔

اسلام میں تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو سرکش نہ ہونے دے اور اسے من مانی کرنے سے روک کر احکامِ شریعت کے تابع بنائے رکھے۔ یہ نہیں کہ اسے اذیتیں دے دے کر بے دم بنا لے اور اس کے جبلی مطالبات کو ختم کر دے۔

مختصر یوں سمجھیے کہ تقویٰ کا منشا نفس کشی نہیں، بلکہ صرف ضبطِ نفس ہے۔ وہ اللہ کی بندگی اور تقویٰ کی زندگی اس بات کو سمجھے کہ اللہ اور اس کے رسول کے جن احکام کو جس شکل میں کرنے کو کہا گیا ہے اسے اسی شکل میں انجام دیا جائے۔

پلے رزق نہ بندھے پنچھی تے درویش
جنہاں تقویٰ رب دا اوناں رزق ہمیش

روزہ ضبطِ نفس کے ساتھ ضبطِ رائے اور ضبطِ ذوق کو بھی تقویٰ کے مفہوم میں شامل بتاتا ہے۔ وہ حقیقی تقویٰ کی تعبیر کرتا ہے کہ نفس کی خواہشوں کی طرح ذوق و رائے کی آزادیوں پر بھی احکامِ الٰہی کا پورا پورا کنٹرول ہو۔ اس غرض سے روزے کو خاص طور سے نفس کشی، ترکِ لذت، اور رہبانیت کے دلفریب تصورات کی پناہ گاہ بننے سے روک دیا۔

روزے کے بعض خاص ثمرات

گو روزہ نے انسان کو تقویٰ کے حقیقی جوہر سے آراستہ کر دیا لیکن پھر بھی بعض صفات اور اعمال ایسے ہیں جو روزے کے بڑے نمایاں اور اہم اثرات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے روزے کا مقامِ عظمت پوری طرح محسوس کرنے میں آسانی ہوگی۔ اگر ان پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے:

۱۔ روزہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ حاکمیت کا یقین حق الیقین سے بدل دیتا ہے۔

۲۔ روزہ اسلامی معاشرے میں ہمدردی اور مواسات کی ایک لہر دوڑا دیتا ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے رمضان کے مہینے کو اسی بنا پر ہمدردی کا مہینہ فرمایا ہے۔

۳۔ روزہ مساوات کے شعور کو مضبوط تر کر دیتا ہے۔ اس مہینے میں امیر غریب، راعی اور رعایا، خاص اور عام، غرض امت کے سارے افراد نمایاں حد تک ایک سی حالت میں ہوتے ہیں۔

۴۔ روزہ مومن کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار کرتا ہے۔ جہاد میں اللہ کی رضا، بھوک، پیاس، بے آرامی کی مشقتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے رمضان کے مہینے کو صبر کا

مہینہ فرمایا ہے۔

۵۔ روزہ رکھنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اس سے ملّی اجتماعات کے احساس کو جلا ملتی ہے۔ حکم ہے، ایک ہی متعینہ مہینے کے روزے "رمضان" میں رکھے جائیں۔ سحری اور افطاری کا وقت مقرر ہے۔ سب افراد ان اوقات کے پابند ہوتے ہیں۔ گویا روزہ میں ایک ہی مقصد کے حامل ہونے پر احساس دلایا گیا ہے۔

حصولِ مقاصد کی شرطیں

۱۔ روزہ کے لیے ضروری آداب و شرائط بھی ہیں۔ نیت میں خلوص، دل میں اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور اپنی عبدیت کا تعین ہو۔ آقائے حقیقی کی اطاعت کا جذبہ ہو۔ رضائے الٰہی کی طلب اور آخرت کی فلاح کی آرزو۔ ان کیفیات کے بغیر روزہ، روزہ نہیں کہلاتا بلکہ فاقہ ہے۔

۲۔ فرض روزوں کے علاوہ سال کے دوسرے مہینوں میں نفلی روزے رکھنا تربیت نفس ہے۔ اس مؤثر تدبیر کا تھوڑا بہت اعادہ ہوتا رہے۔

حج

اسلام کا پانچواں اور آخری رکن حج ہے۔ حج کے لغوی معنی زیارات کے ہیں۔ شریعت کی زبان میں حج کی عبادت کو حج اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں انسان کعبہ کی زیارات کا ارادہ رکھتا ہے۔

حج کا مرتبہ

حج ہر صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ بشرطیکہ وہ بیمار یا کسی واقعی ضرورت یا ظالم حاکم نے روک نہ رکھا ہو۔ اگر قدرت رکھنے کے باوجود "حج" نہیں کرتا تو وہ اسلام کو جھٹلاتا ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے، لوگوں پر اللہ کا حق ہے، وہ اس گھر تک پہنچ سکتا ہے اس کا حج ہے اور جس نے کفر کی روش اختیار کی تو وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ سارے اہل جہاں سے بے نیاز ہے۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ حج کیا ہے، دین کی روح کا اس میں کیا ربط ہے، اسلامی ذہن، اسلامی سیرت اور اسلامی کردار پیدا کرنے میں وہ کیا کردار ادا کرتا ہے۔ یہ باتیں ہمیں دو چیزوں سے مل سکتی ہیں:

۱۔ خود یہ کعبہ کیا چیز ہے جس کا حج کیا جاتا ہے؟

۲۔ حج میں جو مراسم ادا کیے جاتے ہیں وہ کیا ہیں اور ان کے پیچھے کونسے تصورات ہیں؟

کعبہ کی تعمیر اور اُس کی اہمیت

کعبہ کی تعمیر آج سے ساڑھے چار ہزار سال حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السّلام کے ہاتھوں ہوئی تھی اور اسی وقت رب العزت نے یہ ہدایت بھی کر دی تھی کہ جب گھر بن جائے تو منادی کر دینا کہ اس کا حج فرض ہے۔ اس گھر کی حیثیت اور غرض و غایت قرآن مجید کی زبان میں یوں ارشاد ہے،

''یقیناً یہ پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مرکز عبادت کی حیثیت سے بنایا گیا ہے، جو مکے میں واقع ہے، جس کا حال یہ ہے کہ یہ برکتوں والا اور سارے اہل جہان کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔'' (آل عمران:۹۶)

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں وہ پاسبان ہمارا

(اقبال)

یعنی یہ گھر سراپا خیر و برکت ہے۔ ساری دنیا کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ نماز قائم کیے جانے کی اصل جگہ ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا یہ کعبہ اللہ کے دین کا گھر اور اسلام کا مرکز کیوں اور اس کس طرح ہے؟

اس کی تعمیر کا پس منظر

حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم سے بددل ہو کر ہجرت پر مجبور ہوئے تو مختلف علاقوں میں ندائے حق بلند کرتے ہوئے مکہ کے چٹیل میدان میں پہنچے اور یہیں اس مشہور خواب کا واقعہ، یعنی حضرت اسماعیلؑ کی قربانی، پیش آیا۔ جب آپ اس آخری آزمائش میں بھی پورے اتر چکے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوئی (بطور اجر)، ''ابراہیم! میں تمہیں سارے انسانوں کا امام بنانے والا ہوں۔'' (بقرہ:۱۲۴)

پھر کعبہ کی تعمیر کا حکم ہوا۔ جس وقت کعبہ کی تعمیر ان (باپ بیٹے) نے شروع کی تو اسی وقت اس کے مقصد کی تکمیل کے سلسلے میں اُس کے مقدس معماروں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی، ''خدایا! ہمارے عمل کو قبول فرما۔ یقیناً تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ مالک! ہمیں اپنا مسلم (سچا فرمانبردار) بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسا گروہ پیدا کر جو تیرا مسلم (سچا فرمانبردار) ہو اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتلا۔ ہم پر کرم کی نظر رکھ۔ تو بلاشبہ نظرِ کرم فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

اس دعا سے معلوم ہوا کہ جس مقصد کی خاطر خانہ کعبہ بنایا گیا تھا اس کی تکمیل ایک ایسے گروہ کے ذریعے ہوگی جو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہوگا۔ اولادِ اسماعیل میں سے اللہ کے سچا فرمانبردار گروہ کا نام ''مسلم'' اور امت مسلمہ پڑا۔

ان ساری باتوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے بیک نظر دیکھئے، کعبہ کا مرکزِ دین، سرچشمہ اسلام ہونا، دوپہر کے سورج کی طرح آپ سے آپ روشن ہو جائے گا۔

حج کے مراسم

جب کوئی شخص حج کے لیے روانہ ہوتا ہے تو مکے سے کافی دور پہلے ایک معینہ مقام (میقات) پر پہنچ کر نہا دھو کر بعد وضو نیت باندھتا ہے۔ جس کو احرام باندھنا کہتے ہیں۔ اس کے بعد دو رکعت نماز ادا کرتا ہے اور حج کی باضابطہ نیت کا اعلان و اظہار کرتے ہوئے اپنے خدا کو مخاطب کرتا ہے۔

لَبَّیکَ. اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ. لَبَّیکَ لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ. اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیکَ لَکَ.

حاضر ہوں میرے اللہ! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، کوئی شک نہیں کہ حمد تیرے لیے ہیں، نعمت تیری ہے، بادشاہی تیری ہے، کوئی تیرا شریک نہیں۔

جونہی مکہ دکھائی دیتا ہے، پکار اٹھتا ہے، اَللّٰہُ اَکْبَرُ. لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. مکہ داخل ہو کر سیدھا کعبہ پہنچتا ہے۔ وہاں حج و عمرہ جیسے تمام مراسم، سات بار خانہ کعبہ کا طواف سات بار مقررہ دعاؤں کے ساتھ، حجر اسود کا بوسہ، دو نفل مقامِ ابراہیم کے نزدیک، صفا و مروہ دو پہاڑیوں کے درمیان سعی سات بار تکبیر و تہلیل درود و دعا کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ پھر سر منڈانا مردوں کے لیے اور عورتوں کے لیے سر کے بالوں کی ایک لٹ کاٹنا سنت ہے۔ یہ سب مناسک ادا کرنے کے بعد مکہ میں ٹھہر جاتا ہے۔ آٹھ ذی الحجہ کو تمام لوگ عرفات میں پہنچ جاتے ہیں جو مکہ سے بارہ میل دور ایک وسیع میدان ہے۔ وہاں اگلے دن سورج ڈھلنے پر حج پڑھنے کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ امام سب کے سامنے خطبہ دیتا ہے۔ اس کے بعد ظہر اور عصر دونوں وقت کی نمازیں پڑھتا ہے۔ گڑگڑا کر جناب باری تعالیٰ میں دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ سورج غروب ہونے پر سب لوگ مزدلفہ میں پہنچ کر مغرب اور عشاء دونوں وقت کی نمازیں اکٹھی پڑھتے ہیں۔ اگلے دن علی الصبح منیٰ پہنچ کر جمرۃ العقبہ کو سات بار کنکریوں سے مارتے ہیں۔ پھر قربانی دے کر احرام اتار دیا جاتا ہے۔ جمرات کو تین دن قیام میں وہی عمل دہرایا جاتا ہے۔ تیسرے دن واپس خانہ کعبہ پہنچ کر حسب سابق جملہ مراسم (طواف کعبہ، نفل، سعی) ادا کیے جاتے ہیں اور اللہ کے حضور نہایت خشوع و خضوع سے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

یہ ہے مراسم حج کی مختصر تفصیل۔ اب نمایاں اور اہم مناسک کی ضروری وضاحت ہو جانی چاہیے۔

حج کے مراسم

۱۔ کعبہ: ضروری معلومات درج ہو چکی ہیں۔

۲۔ صفا اور مروہ کے بارے میں قرآن شریف نے فرمایا، ''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' صفا اور مروہ دیکھتے ہی فطری طور پر مومن کی نگاہوں میں ''بندگی'' اور ''اسلام'' کی وہ تصویر پھر جاتی ہے جسے اللہ کے خلیل اور اللہ کے ذبیح نے اپنے عمل سے کھینچا تھا۔

۳۔ جمرات: یہ وہ مقامات ہیں جہاں تک حبشہ کے عیسائی حکمران (ابرہہ) کی فوجیں کعبے کو ڈھانے کے ارادے سے بڑھی تھیں۔ پھر ابابیل کی کنکریوں سے ہلاک ہوگئیں۔

حج اور جذبات عبودیت

۱۔ احرام کا لباس گویا فقیری کا احساس، فداکاری کا جذبہ، جانباز فوجی کی وردی۔ وہ اللہ کا فقیر بھی ہے اور کفن دوز سپاہی بھی۔

۲۔ جونہی کعبہ پر نظر پڑتی ہے تو انسان کو یاد آجاتا ہے کہ میں اس امت کا ایک فرد ہوں جس کے ظہور کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی، جس کا نام انہوں نے امتِ مسلمہ رکھا۔ جو اللہ اور اس کے دین کے لیے وقف ہے۔

۳۔ حجرت اسود پر جب ہاتھ رکھتا ہے تو یہ حقیقت نقش ہوجاتی ہے کہ میں اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے رہا ہوں۔ بندگی اور غلامی کا عہد تازہ کر رہا ہوں۔

۴۔ طواف کیا ہے، صرف رضائے الٰہی کی خاطر اپنے آپ کو قربان کر دینے کا جذبہ۔

۵۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی، اس عزم کا اظہار کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السّلام کا راستہ ہمارا راستہ ہوگا۔

۶۔ جمرات کے ستونوں پر کنکریاں مارنا، ابرہہ کے لشکر کو تہس نہس کرنا ہے۔

۷۔ قربانی وہ ''ذبح عظیم'' جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السّلام کا فدیہ قرار دیا ہے۔

حج کی شانِ جامعیت

حج کہنے کو تو ایک عبادت ہے مگر فی الواقع اس میں ہر عبادت اور ہر عملِ خیر کی روح موجود ہے۔

۱۔ حج ذکرِ الٰہی سے بھرا ہوا ہے۔

۲۔ اللہ کی خاطر اپنی دولت خرچ کرنا، روزہ کی طرح نفس کی خواہشوں کو کنٹرول کرنے کی مشق۔

۳۔ چونکہ کعبہ کی تعمیر ہی توحید پر ہوئی ہے اس لیے اسے دیکھتے ہی مومن کے دل میں خدا کی

وحدانیت کی روح جاگ اٹھتی ہے۔

۴۔ وہ ایمانی صفات کا، حب الٰہی کا، صبر کا، رضا کا، فقر کا، توکل کا، آپس کی ہمدردی اور مساوات کا سبق دیتا ہے۔

ارکانِ اسلام پر ایک مجموعی نظر

اسلام میں اعمال صرف چند نیکیاں اور عبادتیں ہی نہیں، بلکہ نیکی اور عبادات کے سرچشمے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک انسان کے اندر بندگی کا احساس ابھارنے اور اسے مکمل کرنے میں بڑا اہم حصہ لیتا ہے۔ پھر یہ سب مل کر مومن کو ایسا ذہن عطا کرتے ہیں جو رضائے الٰہی کی طلب سے سرشار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اسلام کا ستون کہا گیا ہے۔ یعنی دین کے باقی اجزا کے لیے مدارِ حیات قرار دیا ہے۔

نظامِ حیات

دین کے مختلف تصورات

۱۔ دنیا سے بالکل کنارہ کش ہو کر نفس کشی کرنا، جسے رہبانیت یا یوگ کہتے ہیں۔

۲۔ بندگی کو صرف فرد کا کام اور دین انسان کی نجی زندگی کا معاملہ دنیا کو ترک کیے بغیر سمجھنا۔

۳۔ اسلام میں پہلے دونوں تصورات غلط ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ انسان کی عبادت گاہ ہو یا اُس کا گھر، اس کے کھیت ہوں یا بازار، اس کے معاشی ادارے یا سیاسی، یہ ساری کی ساری جگہیں دین کے فرائض اور بندگی کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی جگہ ہوں۔ اس طرح اس کی دنیوی زندگی کا پورا پورا نظام دینی ہو، جو اس کے مالک کو پسند ہو۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

اسلام میں خدا کی طرف سے آئی ہوئی کسی شریعت میں بھی ''رہبانیت'' کی تعلیم نہیں دی گئی۔ اور اللہ کے دین کا مزاج کبھی بھی ''رہبانیت'' کے فلسفے سے ہم آہنگ نہیں تھا۔ اسلام کے بنیادی عقائد و اعمال بھی مطابقت نہیں رکھتے۔ چنانچہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہر اس طرزِ عمل کی مخالفت فرمائی ہے جو رہبانیت کے طرزِ عمل سے ہم آہنگ ہو۔

اسلام صرف انفرادی زندگی محدود نہیں

اسلام زندگی کے ہر شعبے میں ہدایتیں دیتا، کچھ باتوں کو رد کرتا اور کچھ باتوں کا امر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی سارے ہی شعبوں میں ہر حکم ضرور دین اور داخلِ اسلام ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے

اسلام ایسا مکمل نظام ہے جو انسانی زندگی کے اعتقادی، اخلاقی اور عملی پہلوؤں پر محیط ہے۔ ذیل میں اس نظام کے اہم اجزا کا ایک اجمالی نقشہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہمارا واحد معبود ہے۔ اصل حاکم اور حقیقی قانون ساز ہے۔ دراصل یہی بنیادی عقیدہ ہے جس سے بالکل فکری انداز میں اسلام کا پورا نظام نکلا ہے۔

۲۔ اس نظام کی کارفرمائی ایک ایسے معاشرے کے وجود پر موقوف ہے جو ''مسلم'' ہو، جسے اللہ اور اس کی صفات پر گہرا یقین ہو، جو آخرت پر سچا ایمان رکھتا ہو اور جو محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دل سے اللہ کا آخری نبی تسلیم کرتا ہو۔

۳۔ اس نظام کے مختلف حصے اپنی کارکردگی کے اعتبار سے اصل ایک وحدت ہیں۔ یہ پورا نظام کُل کا کُل حرکت میں ہو نہ کہ جزوی طور پر ان اجزا کو اپنایا جائے۔

روحانی نظام

روحانی نظام کا یہ مطلب ہے کہ انسانی روح، نفس کی غلامی سے آزاد اور دنیا پرستی کی آلودگی سے پاک رہے۔ ان چیزوں سے پاک ہو کر اللہ کی اطاعت، اس کی محبت، اس کی رضا جوئی کے جذبات سے سرشار ہو جائے۔ یعنی اپنے حقیقی آقا کے حکموں پر اس طرح عمل کرنے لگے جیسے وہ اللہ حاظر و ناظر اپنی آنکھوں سے انسان کا ہر فعل دیکھ رہا ہو۔

روح میں پاکیزگی اور خدا طلبی کی یہ کیفیت پیدا کرنے کے لیے اسلام نے جو بنیادی اور راست تدبیریں مقرر کی فرمائی ہیں، وہی ہیں جن کو ارکانِ اسلام کہا جاتا ہے۔

اخلاقی نظام

کسی شخص کی روح کی پاکیزگی یا گندگی کا معیار اُس کا اخلاق ہوتا ہے۔ دین نے حسن اخلاق کو بڑی اہمیت دی ہے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، ''نیکی حسن اخلاق کا نام ہے۔'' اسلام میں اچھے اور برے اخلاق کا ایک طے شدہ معیار ہے جو شریعت اپنے اصول اور مزاج کے مطابق خود کرتی ہے اور وہ سب کے سب اسلام کے بنیادی اصولوں کا راست ثمرہ ہیں۔ پہلے ان اخلاقیات کو لیجیے جن کا تعلق انسان کی عام زندگی سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ''لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو، جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ کی ہے۔'' (قصص: ۷۷) ''(اُن متقیوں کے لیے) جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے

ہیں۔'' (آل عمران: ۱۳۴) ''اور فضول خرچی نہ کرو۔'' (اسرائیل: ۲۶) ''بلاشبہ اللہ کسی دغاباز اور ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔'' (حج: ۳۸) ''کوئی شک نہیں کہ اللہ کسی مغرور اور شیخی باز کو بالکل پسند نہیں کرتا۔'' (لقمان: ۱۸) ''لوگوں سے باتیں کرتے وقت اپنے گالوں کو ٹیڑھا نہ کرو، نہ زمین پر اترا کر چلو، کوئی شک نہیں کہ اللہ کسی مغرور اور شیخی باز کو بالکل پسند نہیں کرتا۔'' (لقمان: ۱۸۰) ''ہلاکت ہے ہر طعنہ دینے والے اور عیب نکالنے والے کے لیے۔'' (ہمزہ: ۱)

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، ''بلاشبہ سچائی نیکی کی طرف اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جھوٹ بدی کی اور بدی جہنم کی راہ دکھاتی ہے۔''

منافق

ذیل کی چار خصلتیں جس کے اندر ہوں گی وہ پکا منافق ہوگا:

۱۔ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو خیانت کر جائے۔

۲۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۳۔ وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔

۴۔ جھگڑے تو گالیوں پر اُتر آئے۔

اسلام کی ان عام اور بنیادی قسم کی اخلاقی تعلیمات کے بعد اُن اخلاقیات جن کا تعلق انسانی زندگی کے مخصوص دائروں سے ہے۔

گھریلو زندگی: اپنے اہل وعیال کے ساتھ ایثار و قربانی کا سلوک کرنے کے متعلق اسلام کہتا ہے کہ یہ سلوک تقاضائے فطرت ہی نہیں، بلکہ ایک دینی فریضہ ہے۔

خاندانی زندگی: جہاں انسان کا واسطہ ماں باپ، بہن بھائی اور قریبی رشتہ دار سے پیش آتا ہے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: تمہارے والدین تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔ خدانخواستہ اگر والدین کافر ہوں تو پھر بھی ان کے حقوق کو پورا کیا جائے۔ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ یہاں تک حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرو۔ ان کو کوئی ایذا نہ دو۔ سب سے آخری دائرہ ایک مسلمان کی زندگی وہ ہے جو مسلم معاشرے سے باہر ہوتا ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور تعلقات میں اخلاقی روش کا پابند رہنا چاہیے۔

یہ ہیں وہ بنیادی خطوط جن پر اسلام انسان کی اخلاقی زندگی تعمیر کرتا ہے۔ ہر شخص محسوس کرتا ہے کہ مسلمان کی زندگی کا بند بند اخلاق کے مستحکم ضابطوں کا پابند ہے۔

عائلی نظام

انسان کی تمدن کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کی باہمی رفاقت سے وجود میں آتی ہے۔ ان دو انسانوں سے مل کر بننے والا چھوٹا سا اجتماعی ادارہ انسان کی تمدنی زندگی کی پہلی کڑی ہے۔ اس اجتماعی دائرے کو انسان کی عائلی زندگی اور اس کے لیے جو ضابطے ہوتے ہیں، انہیں عائلی نظام کہتے ہیں۔

مرد اور عورت کی یہ مستقل رفاقت ایک معاہدے کے ذریعے وجود میں آتی ہے، جسے نکاح کہتے ہیں۔ معاہدہ نکاح کو قرآن نے پختہ عہد قرار دیا ہے۔ اس رشتے سے جو ایک چھوٹی سی وحدت بنتی ہے، مرد اس کا نگران اور ناظم اعلیٰ ہوتا ہے۔ عورت اس کی زیر ہدایت گھر کا نظم ونسق چلاتی ہے۔ عورت کو مرد اپنا محکوم نہ سمجھے بلکہ گاڑی کے دونوں پہیوں کو مل کر چلنے سے گاڑی رواں ہوسکتی ہے۔

میاں بیوی کی ذمہ داریاں

مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اقتصادی حالت کے مطابق ضروریات زندگی مہیا کرے۔ وہ بیوی بچوں کی دینی تعلیم کا بھی خیال رکھے۔ اور خوشگوار ماحول پیدا کرے۔

عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر کے اندرونی نظم کو چلائے۔ شوہر کی اطاعت اور اپنی عفت کی پوری طرح حفاظت کرے۔ بچوں کی نگہداشت اور تربیت کا خاص خیال رکھے۔

غرض مرد اور عورت کو تاکید کی گئی ہے کہ ان حدود کا پورا پورا احترام کریں۔ اگر خدانخواستہ زوجین میں ناگریز حد تک اختلاف پیدا ہوجائے اور نباہ کی صورت ناممکن بلکہ محال ہوجائے تو مجبوراً اس بات کی اجازت ہے کہ مرد طلاق کے ذریعے اور عورت خلع کے ذریعے اس رشتۂ حیات ''نکاح'' کو ختم کردیں۔

معاشرتی نظام

گھر کی محدودترین اجتماعیت سے باہر جو کہ ایک وسیع اجتماعیت ہوتی ہے جسے ''معاشرہ'' کہا جاتا ہے، اس کے بارے میں اسلام کے بعض بنیادی تصورات یہ ہیں:

تمام مخلوق (انسان) پیدائشی طور پر برابر ہیں۔ نسل، وطن، رنگ، یا زبان کی بنا پر ان میں کوئی فرق نہیں۔ سب ایک ہی طرح کے حقوق رکھتے ہیں۔ لیکن تفریق کی صرف ایک ہی بنیاد ہے جو پوری انسانی برادری کو دو گروہوں میں تقسیم کردیتی ہے، (۱) جو اللہ کے دین پر ایمان رکھتے ہیں، (۲) دوسرا ان لوگوں کا ہے جو اسے اپنا دین نہیں مانتے۔ پہلا ''اسلامی معاشرہ'' کہلاتا ہے، دوسرا ''غیر مسلم معاشرہ''۔

اب جبکہ دین اور عقیدے کی بنا پر اسلامی اور غیر اسلامی دو مستقل معاشرے وجود میں آجاتے ہیں، ان دونوں کے بارے میں اسلام کے احکام بھی بہت کچھ مختلف ہوں گے۔ غیر مسلم معاشرے کے

بارے میں اسلامی تعلیمات کے مطابق ان سے عدل وانصاف، دیانت وامانت، رحم وشفقت، راست بازی اور ایفائے عہد پر عمل کریں۔

مسلم معاشرے کے متعلق تو اسلام نے مفصل اور جامع ہدایات دی ہیں۔ یعنی:

۱۔ افراد کے تعلقات میں گروہی یا طبقاتی کشمکش کی بجائے بھائی چارگی کا سبق دیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے، ''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔'' (حجرات: ۱۰) آپس میں محبت، رحم دلی، شفقت کا احساس پیدا کرو۔ آپس میں حسد نہ کرو۔ نہ ترکِ تعلقات کرو۔ نہ کسی پر ظلم کرو، نہ کسی کو حقیر سمجھو۔ مسلمان کے خون کا احترام، اس کی آبرو کا احترام، اس کے مال کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

۲۔ معاشرے میں بھلائی اور خدا ترسی کے کاموں کی ہمت افزائی کی جائے۔

۳۔ معاشرے کے اندر برائیوں کو سر اٹھانے کا موقعہ نہ دیا جائے۔ یعنی برے کاموں میں کسی کی مدد نہ کی جائے۔ اپنی بساط بھر بری حرکتوں سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔

۴۔ ان تمام سرچشموں کو بند کیا جائے جن سے منفی برائیاں ابل ابل کر معاشرے کو مکدر کرتی ہیں۔

۵۔ ایسے کام نہ کیے جائیں جن کا اخروی یا دنیوی فائدہ نہ ہو۔ مومن کی بنیادی صفات میں قرآن مجید نے ایک صفت یہ بھی فرمائی ہے کہ ''لغو'' یعنی بے فائدہ کاموں میں کوئی لگاؤ نہ رکھو۔ کسی کے اچھے مسلم ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی کاموں سے دور رہے۔ ایسے طریقے اختیار نہ کیے جائیں جن سے غیر اسلامی معاشرے کی کوئی خاص روح کام کر رہی ہو اور جن کو اپنا لینے کے بعد مسلمانوں کا تمدنی تشخص یا دینی مزاج مجروح ہوجاتا ہو۔

۶۔ کبھی صبر وتحمل اور وقار ومتانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

غرض اسلامی معاشرے کا مزاج حقیقی اور یک رنگ بنایا گیا ہے۔ مسلمانوں کا معاشرتی امتیاز ہر حال میں اور ہر پہلو سے نمایاں رہنا چاہیے۔ اسلام اور غیر اسلام میں کوئی ادنیٰ سی بھی جوہری ہم آہنگی ظاہر نہ ہو۔ ''اسلام'' صرف اس بات کا قائل ہے کہ نیکی اور بدی دو متضاد چیزیں ہیں جن کی جزا وسزا اپنے عمل سے وجود میں آئے گی۔

ماسوا اللہ کے آگ ہے تکبیر تیری
تو مسلمان ہے تو تدبیر ہے تقدیر تیری

معاشی نظام

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کا جو مقصد بتایا ہے اُس میں روحانی بلندی اور تقرب الٰہی کا تصور ہی نہیں بلکہ مادّی ضرورتوں اور اخروی زندگی دونوں کو ایک جیسی اہمیت دی گئی ہے۔ ایک مسلمان کو اس دنیا میں اپنا فرض بجالانے اور اپنا مشن پورا کرنے اور اپنے پروردگار کی رضا حاصل کرنے کے لیے دنیوی اور اُخروی زندگی کی وہ قوتیں جن پر ان کی بقا موقوف ہے، دونوں کا ایک ساتھ خیال ملحوظ رکھیں۔ چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ''فرض عبادتوں کے بعد حلال روزی کا کمانا بھی فرض ہے۔''

غرض زندگی کی مادّی ضرورتوں کو اسلام پوری اہمیت دیتا ہے۔ ہر انسان کو اپنی اپنی روزی کمانے کی کوشش ایک شرعی ذمہ داری سمجھنی چاہیے۔ اپنا رزق اپنا خون پسینہ بہا کر حاصل کرے۔ بھیک مانگنا، کسی مجبوری کے بغیر دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا حرام کھانے کے مترادف ہے۔

کمانے اور خرچ کرنے کی ضروری آزادی اور اُن پر ضروری پابندیاں

روزی کمانے کے اور خرچ کرنے کے سارے جائز ذرائع ہر شخص کے لیے یکساں طور پر مساوی ہیں۔ معاشی میدان میں جدوجہد کا سب کو مساوی حق حاصل ہوگا۔ یہاں اجارہ داری نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔ زراعت، تجارت، صنعت، ملازمت غرض روزی کمانے کا کوئی جائز ذریعہ کسی شخص کے لیے ممنوع نہ ہوگا۔ کیونکہ اس زمین پر روزی کے جتنے وسائل ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے ہی بندوں کے لیے کہا ہے۔ ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ اپنی دولت کو مزید دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے۔ تجارت اور صنعت، دونوں چیزیں دولت سے مزید دولت پیدا کرنے کی عملی شکلیں ہیں۔ شریعت نے بڑی ترغیب دی ہے اور ان کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان کی ہیں۔

دولت سے مزید دولت پیدا کرنا بلا روک ٹوک نہیں پیدا کی جا سکتی، بلکہ اس پر چند زبردست اخلاقی اور قانونی پابندیاں عائد ہیں:

۱۔ معاملہ کرنے میں بے لاگ صداقت اور دیانت داری ضروری ہے۔ گاہک کو دھوکا دینا، اس چیز کا عیب چھپانا سخت گناہ ہے۔

۲۔ اپنی بکری بڑھانے کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا، معصیت کی بات ہے۔

۳۔ موذی کاروباری خواہ کسی شکل میں ہو، قطعی ممانعت ہے۔

۴۔ جُوا، ہر شکل میں ممنوع ہے۔

۵۔ جن چیزوں کا کھانا پینا حرام ہے مثلاً شراب کی تجارت بھی حرام ہے۔

غرضیکہ روزی کمانے کے وہ طریقے ممنوع ہیں جن سے لوگوں کو اخلاقی یا دینی نقصان پہنچتا ہو۔ نشیلی چیزوں، رقص و سرود، فحش لٹریچر کی تیاری اور نشر و اشاعت، غرض ایسی قماش کی دوسری چیزوں کو روزی کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا۔

مذکورہ بالا حدود کی پابندی کرتے ہوئے جو دولت بھی حاصل ہوگی وہ اگرچہ فرد کی اپنی ذاتی ملکیت ہوگی، لیکن بطور خود منع کرنے کا یہ اختیار بھی مشروط طور پر ہے۔ معقول انداز کی ایک آرام دہ زندگی تو ضرور گزاری جا سکتی ہے لیکن عیش پرستی کی زندگی ہرگز نہیں گزاری جا سکتی۔ جو اخلاقی، دینی انحطاط پیدا کرے اور حکومت کو پسند نہیں، اس پر گرفت لگائی جاتی ہے۔

روزی کمانے اور دولت پیدا کرنے کی اگرچہ سب کو آزادی حاصل ہے لیکن معاشرے میں افراد کو ذہن اور جسم کی قوتیں برابر کی نہیں ملی ہیں۔ پھر حالات اور اتفاقات بھی سب کا یکساں ساتھ نہیں دیتے۔ اس لیے مشاہدہ بتاتا ہے کہ کچھ لوگ تو لاکھوں کے مالک بن گئے اور کچھ دو وقت کی روٹی بھی نہ پیدا کر سکے۔ حالانکہ ہر فرد کے لیے معاشی ضرورتوں کی فراہمی صرف دنیوی ضرورت ہی نہیں، دینی ضرورت بھی ہے۔ ان وجوہ سے اسلام پورا زور دے کر کہتا ہے کہ معاشی جدوجہد میں ناکام رہ جانے والے افراد یا معذور، نادار کی ضرورتیں وہ لوگ پوری کریں جو اس جدوجہد میں کامیاب ہیں۔ یہ ان کی اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ انہیں بھوکا ننگا نہ رہنے دیا جائے۔ چنانچہ اہلِ ایمان کی صفات میں قرآن حکیم نے صاف لفظوں میں فرمایا ہے، ''ان کے مالوں میں سائلوں اور ناداروں کا حق ہوتا ہے۔'' (ذاریات: ۱۹)

حاجت مندوں کے بارے میں دولت مندوں کے اس طریق کار کو قانونی شکل میں بھی لایا گیا ہے۔ ہر شخص کو، جو نادار نہیں ہے، سال بہ سال اپنی دولت اور اپنی پیداوار کا ایک خاص حصہ غریبوں کے قانونی حق کے طور پر لازماً دینا پڑے گا۔ معاشرے کا اجتماعی نظم زکوٰۃ اور عشر کی یہ مقدار صاحبِ نصاب سے وصول کر کے غریبوں تک پہنچانے کا انتظام کرے گا۔ ہر شخص کو زکوٰۃ و عشر کی رقم ضرور دینا پڑے گی۔ تاکہ اس کی دنیا اور آخرت سدھر سکے۔ اس طرح دولت معاشرے میں چند جگہوں پر سمٹی رہنے کی بجائے مختلف سمتوں میں برابر پھیلتی رہتی ہے جس سے ناداری کا حلقہ سکڑتا ہے۔ اور معاشرے میں معاشی اونچ نیچ کم کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہوتی ہے۔

سودی نظام

ایں بنوک ایں فکرِ چالاک یہود   نورِ حق از سینۂ آدم ربود

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام   دانش وتہذیب و دیں سودائے خام

ترجمہ: بنکاری کے اس یہودی نظام نے انسان کے دل سے حق وصداقت کا نور نکال دیا ہے۔ لہٰذا جب تک یہ یہودی نظام ختم نہیں ہو جاتا، اس وقت تک علم و دانش، تہذیب وتمدن اور دین و مذہب کے لیے کوشش کرنا گویا بیکار ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام پر سخت تنقید کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ انسانیت، تہذیب وتمدن اور دین و مذہب کی راہ میں یہ نظام حائل ہے۔ اس نظام کے ہوتے ہوئے نہ تو علم بار آور ہو سکتا ہے نہ تہذیب وتمدن پھل پھول سکتے ہیں۔ اور نہ ہی صحیح معنوں میں دین اور مذہب کی تعلیمات پر عمل ہو سکتا ہے۔

سیاسی نظام

اسلامی نظامِ سیاست کی بنیاد دو اساسی حقیقتوں پر ہے:

۱۔ قانون ساز صرف اللہ ہے۔ اس کا دیا ہوا آئین انسانی زندگی کا آئین اور اس کا دیا ہوا قانون انسانی زندگی کا قانون ہے۔

۲۔ اللہ کا نبی اس دنیا میں اس کا نمائندہ اور اس کے احکام مرضیات کا شارح ہوتا ہے۔

۳۔ اللہ اور رسول کے دیے ہوئے احکام کی ٹھیک ٹھیک پیروی اور ان کے بنائے ہوئے قوانین کے لیے ایک ’’اجتماعی نظم‘‘ اور ایک حکومتی ادارے کا قیام ضروری ہے۔ جسے اصطلاح شریعت میں اس حکومتی ادارے کو خلافت یا امامت یا امارات کہا گیا ہے۔

۴۔ خلیفہ کا کام یہ ہے کہ وہ اس حاکم حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے احکام مرضیات کے مطابق مملکت کا نظام چلائے۔ جس کا وہ خدا اور خلق دونوں کے سامنے جواب دہ ہے۔

۵۔ خلافت کی اس بھاری ذمہ داری کا حق ادا کرنے میں خلیفہ کی مدد کرنے کے لیے ایک مجلسِ شوریٰ ہوگی اور ضروری ہے کہ امورِ مملکت کا نظم ونسق چلانے کے لیے اس سے مشورہ لے۔

۶۔ خلیفہ انتخاب کے ذریعے برسر اقتدار آتا ہے۔ اگر وہ اپنے فرائض کوتاہی یا بنیادی مقصد سے روگردانی کی حد کو پہنچ جائے تو ایسی شکل میں ملت کا فرض ہے کہ وہ فوراً خلافت کی زمام چھین لے۔

۷۔ خلافت کے انتخاب کا جو طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ اسلامی طریقہ ہوگا۔ مدعا تو یہ ہے کہ صرف ایسا شخص برسر اقتدار آئے جو اپنے علم، اپنے تقویٰ، اپنے تدبر، اپنی صلاحیتوں اور عملی قوتوں کے

لحاظ سے بحیثیت مجموعی سب سے بہتر ہو۔ اور عام لوگوں کو اس کا اعتماد اور احترام حاصل ہو۔

۸۔ اسلامی ریاست ہر شخص کی، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، جان و مال اور عزت وآبرو کی ذمہ دار ہو گی۔ حکومت کا کام معاشرے میں انصاف قائم کرنا ہے۔ جس کے لیے کم از کم اپنے ارادے اور دعوے کی حد تک عام طور سے حکومتیں قائم ہوتی ہیں۔ اسلامی حکومت کے لیے خلاق عالم قرآن کریم میں یہ ارشاد فرماتا ہے، ’’یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، معروف (نیکی) کا حکم دیں گے اور منکر (برائی) سے روکیں گے۔‘‘

اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مندرجہ بالا آیت پر خود عمل کریں اور رعایا کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دیں۔ اس طرح دین کو قائم رکھنے اور اسلامی معاشرہ کی اپنی ان تھک کوششوں سے اصلاح کریں۔

قانونی نظام

۱۔ قانون کے اصل سرچشمے دو ہیں؛ قرآن اور سنت۔ ان کے اندر جس قدر قوانین واضح شکل میں موجود ہیں وہ قطعی اور اٹل ہیں۔ اور ہمیشہ کے لیے واجب التسلیم اور واجب الاطاعت ہیں۔

۲۔ جن مسائل اور معاملات کے بارے میں واضح احکام قرآن شریف میں موجود نہیں ان کی عقدہ کشائی کے لیے صاحبِ علم وتقویٰ، اپنی دینی بصیرت اور قانونی مہارت اور مقتضیات زمانہ، اپنی گہری دلچسپی کی بنا پر قانون وضع کریں۔ مگر ایسے وضع کردہ قوانین میں بعض اوقات ترمیم کی بھی ضرورت درپیش آسکتی ہے۔ اور یہ حالات اور تقاضے سے بدلے بھی جاسکتے ہیں۔ البتہ پوری بات متفقہ طور پر جو قوانین وضع کریں وہ کسی حد تک اٹل کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ اس اتفاق رائے کو ’’اجماع‘‘ کہتے ہیں۔ اس طرح اسلامی قوانین کے سرچشمے چار ہوتے ہیں؛ قرآن، سنت، قیاس، اجماع۔

۳۔ مقننہ انتظامیہ سے قطعاً آزاد ہوتی ہے۔ قانون سازی پر انتظامیہ کے کسی اثر ورسوخ اور اقتدار کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

۴۔ مقننہ کی طرح عدلیہ بھی انتظامیہ سے یکسر آزاد ہوتی ہے۔ قاضیوں اور ججوں کا تقرر اگرچہ بلاواسطہ یا بالواسطہ حکومت ہی کرے گی لیکن جب وہ عدالت کی کرسی پر بیٹھ گیا تو پھر وہ خدا اور رسول کا نائب ہوتا ہے۔ احکامِ شریعت کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔

۵۔ قانون کی طاقت ناقابلِ شکست ہوتی ہے۔ امیر غریب، خاص و عام کا کوئی امتیاز نہیں۔ خلیفہ وقت بھی قانون کا اسی طرح محکوم ہے جس طرح ایک بیکس فقیر۔ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یہ الفاظ قانون کی بالادستی کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے ''اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو خدا کی قسم میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''
جن جرائم کی سزائیں کتاب وسنت کے مطابق قطعی انداز میں مقرر کر دی گئی ہیں ان کے نفاذ کو خلیفہ بھی نہیں روک سکتا (چوری کا جرم ثابت ہونے پر ہاتھ کاٹنا، زانی کو سنگساری، قاتل کو موت کی سزا وغیرہ)۔

۶۔ فوجداری جرائم کی سزائیں صرف اسی حال میں نافذ کی جائیں گی جب معاشرہ اور ماحول فی الواقع اسلامی ہو اور حالات معمول پر ہوں۔ جب حالات ایسے غیر معمولی ہوں گے جن میں ارتکابِ جرم کے قوی محرکات ابھر آئے ہوں، سزاؤں کا نفاذ رُکا رہے گا۔

۷۔ انصاف ہر شخص کو مفت ملے گا۔ کورٹ فیس نام کی کوئی چیز انصاف کے معاوضے کے طور پر وصول نہ کی جائے گی۔

نتیجہ کیا نکلا......؟

علمی وفکری پہلوؤں سے مبادیات اسلام کا جائزہ لینے کے بعد اب بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے عملی پہلوؤں پر بھی بنظر غائر روشنی ڈالی جائے۔ کیونکہ عوام الناس کے علاوہ بسا اوقات خواص بھی اس پہلو سے عملی طور پر سوالیہ نشان بنے نظر آتے ہیں۔

قرآن کی پکار

اس ضمن میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

لِمَ تقُولُوْنَ مَا لَا تفْعَلُوْنَ.

ترجمہ: تم وہ کیوں کہتے پھرتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے ہو۔

اب اگر اسلامی تعلیمات کے اس پہلو پر غور کیا جائے گا تو یہ جان کر انتہائی دکھ ہوگا کہ ہم مسلمان عملی طور پر کس قدر غافل اور بے عمل واقع ہوئے ہیں کہ ہر وہ امرِ مذموم کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے جس کو زبانی یا اعلانی طور پر ہم چوبیس گھنٹے اپنی واعظ ونصیحت، تقریر وتحریر اور بحث

مباحثہ میں پوجتے نظر آتے ہیں۔ اب کاغذی اور زبانی اسلام سے ہٹ کر ہمیں علمی وحقیقی تجرباتی اسلام کی اصل شکل وصورت دیکھنا اور دِکھانا مقصود ہے۔

(ا) ہمارے سرکاری دفاتر میں اسلام

آج کل اکثر دفاتر کے باہر اور اندر ایک تحریر آویزاں ہوتی ہے، ''رشوت لینا جس کا کام...... کتا کمینہ اُس کا نام''۔ لیکن افسوس صد افسوس! کہ اسی محکمے کا عملہ عملی طور پر چپڑاسی (نائب قاصد) سے لے کر حاکم وقت تک (الا ماشاء اللہ) اس بے رحمی، بے دردی، ڈھٹائی اور بے غیرتی سے اس امر خبیث کو بجالانے میں اس قدر تندہی سے مصروفِ عمل ہوتا ہے گویا کہ شاید یہی قرآن وسنت اور سلف صالحین کا محمود ترین عمل ہے کہ اگر اسے بجا نہ لایا گیا وہ شاید بہت بڑا مجرم گردانا جائے گا اور کسی سعادتِ ابدی سے محروم ہو جائے گا۔ حالانکہ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بھی ارشاد پاک ہے:

الراشي والمرتشي كلاهما في النار.

ترجمہ: رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ہم سب راشی ومرتشی ہونے کے باوجود اس کے خلاف سارا دن واعظ تبلیغ کرتے ہوئے نہیں تھکتے اور اپنی اولاد اور ماتحتوں کو منہ بنا بنا کر آیتیں حدیثیں بھی سناتے پھرتے ہیں اور ہر محکمے کے راشی اور مرتشی افسران کی فہرست بندی بھی بڑے ادب سے پیش کرتے ہیں، اخباری حوالے دیتے ہیں، میڈیا ٹرائل کے ڈائیلاگ سناتے ہیں اور پھر بڑے فخر سے داد لینے والے انداز میں اپنے سامعین، ناظرین اور حاضرین پر نظر ڈالتے ہیں گویا کہ شاید یہی واحد مبلغ دینِ اسلام ہے جس نے اپنا فرضِ منصبی بڑی ایمان داری اور دیانت داری سے ادا کر دیا ہے۔ اور ستم بالائے ستم ہم بھول ہی جاتے ہیں کہ ہمارے تمام مخاطبین جاہل اور بے خبر نہیں ہیں وہ شاید ہم سے کہیں زیادہ ان حقائق سے آگاہ ہیں اور ہمارے بارے ان کی پس پردہ رائے یہ ہوتی ہے کہ ہم دنیائے ذلت کے سب سے بڑے منافق، بے شرم، بے حس اور ننگے چٹے راشی اور مرتشی گروہ کی صفِ اوّل کے شاہسوار ہیں اور کوئی سننے دیکھنے والا ہماری اس واعظ ونصیحت سے پوائنٹ زیرو زیرو پرسنٹ بھی متاثر نہیں ہوتا۔ عملی زندگی سے چند واقعات حاضر خدمت ہیں۔

شاید کے تیرے دل میں اتر جائے مری بات
اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے

(اقبال)

مجھے بجلی کا کنکشن چاہیے......(ہڈ بیتی)

چند ماہ قبل راقم الحروف کو بجلی کا کنکشن لگوانے کے لیے ملک کے ایک اہم ترین محکمہ بجلی (واپڈا) سے رجوع کرنا پڑا۔ محکمہ کے چپڑاسی سے لے کر ایکسین (XEN) تک ہر کارندہ کند چھری کے ساتھ بندہ کی کھال ادھیڑنے کے لیے اس طرح بھوکے وحشی درندے کی طرح للچائی اور ترسائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے میں ہی واحد ان کا روزی رساں ہوں۔ خرچے مرچے کے نام پر ہر کوئی رشوت کو اپنا محکمانہ حق سمجھتا تھا۔ بندہ نے کچھ دوسرے محکموں کے اعلیٰ افسران کے ذریعے بھی اثر ورسوخ استعمال کرنے کی لاحاصل کوشش کی لیکن انہوں نے بھی صاف صاف کہہ دیا کہ فاروقی صاحب! جہاں بابا قائداعظم چلتا ہے وہاں ہماری دال نہیں گلتی۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ محکمے کا ہر فرد قرآن حدیث کی ایسی خوبصورت وعظیں سناتا رہا کہ گویا کہ ان کا ہر رُکن خالص مبلغ دینِ اسلام ہے، اور کافروں کو کلمہ پڑھانے نکلا ہوا ہے۔ لیکن عملی طور پر اتنے گھٹیا، ذلیل، حقیر اور ننگے انسانیت کہ جنہیں مسلمان کہتے ہوئے مسلمانی کی توہین محسوس ہوتی ہے۔

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
کہ سارے شہر نے پہن لیے ہیں دستانے

(۲) یورپ یا اسلامی ریاستیں!!

میرے انتہائی قریبی مہربان دوست پاکستان کو خیرباد کہہ کر کینیڈا تارکینِ وطن کے طور پر بال بچوں سمیت ہجرت کر گئے ہیں۔ چند روز قبل میرے پاس اسلام آباد میں تشریف لائے اور بڑے دکھے ہوئے دل کے ساتھ اپنی رام کہانی کچھ یوں بیان کی:

جناب فاروقی صاحب! میری ایک جوان بیٹی کینیڈا کی ایک یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہے اور اُسے متعدد بار یورپ کے کئی ممالک میں تعلیمی دورے (Tours) کے لیے جانا پڑا ہے۔ جہاں وہ تن تنہا بحفاظت خود آتی جاتی رہی ہے اور کسی قسم کی کوئی پریشانی یا احساسِ عدم تحفظ کا کوئی ناخوشگوار واقعہ گزشتہ چار سالوں میں پیش نہیں آیا ہے۔ اب اسے آخری سمسٹر کی تعلیم کا کچھ حصہ مکمل کرنے کے لیے ملک شام (Syria) اڑھائی تین ماہ کے لیے جانا ہے۔ لہٰذا یونیورسٹی انتظامیہ اور ملک شام کی متعلقہ یونیورسٹی کے حالات نے تنبیہ کر دی ہے کہ آپ کی بچی شام جیسے اسلامی ملک میں نہ تو اکیلی سفر کر سکتی ہے اور نہ آزادانہ تعلیم ورہائش کے دیگر معاملات تن تنہا باعزت طریقے سے پوری کر سکتی ہے کیونکہ ہر قدم پر عصمت دری اور جان و مال کے تحفظ کا مسئلہ درپیش آ سکتا ہے۔ اس لیے کسی حقیقی محرم کا ساتھ ہونا

ضروری ہے۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں بذاتِ خود سارے کام کاج چھوڑ کر تین ماہ اپنی بیٹی کی عزت وآبرو کی حفاظت وغیرہ کے لیے اُس کے ساتھ ملک شام میں رہوں گا۔

نوٹ: روایات ہیں کہ آخری زمانے میں حضرت عیسیٰؑ بھی اس ملک سے ظہور فرمائیں گے۔

قابلِ غور اور قابلِ افسوس پہلو یہ ہے کہ یورپ جس کو ہم سارے مسلمان انتہائی پلید، کافر اور بے شرم و بے حیاء خطہ ارضی سمجھتے ہیں، وہاں ایک بچی کی عزت و جان و مال محفوظ ہے، لیکن عرب دنیا یا کسی بھی اسلامی ملک میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ آخر کیوں؟ کیا یہی اسلام کی تعلیم ہے؟...... ہرگز نہیں۔ کیا یہ عملی حقیقی اسلام نہیں جس کو یہ خود دنیا کے سامنے بطور زندہ اور جیتی جاگتی مثال کے طور پر پیش کر رہے ہیں، جس کی تشریح کرنے یا سننے سنانے کی کسی کو ضرورت وحاجت نہیں ہے۔

ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے
انجامِ گلستان کیا ہو گا

(۳) آؤ چین چلیں......!

سنتے ہیں کہ کسی موقعہ پر حضور اکرم فخر عرب و عجم رحمۃ اللعالمین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا تھا،

اطلبوا العلم لو کان بالصین.

ترجمہ: ’’علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔‘‘

یقیناً اس وقت چین میں کوئی قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم تو نہیں ہوگی، دنیاوی علوم وفنون کی غرض وغایت ہی پیشِ نظر ہوگی۔

میرے ایک انتہائی قریبی طالب علم کو اکثر چین آنا جانا پڑتا ہے۔ تعلیم کے لیے نہیں، بلکہ تجارت کے لیے۔ گزشتہ دو تین سال کے عملی تجربے کے حوالے سے انہوں نے دکھے دل کے ساتھ مجھے بتایا کہ سر! کاروبار کے لیے چین کے کئی شہروں اور قصبوں میں مجھے جانے کا موقعہ ملا ہے اور میں اس بات پہ سخت پریشان بھی ہوں اور خوش بھی ہوں کہ چین جیسے دہریوں اور بدھ مت وغیرہ کے ماننے والوں کے ملک میں کس قدر اسلامی اقدار خاص طور پر حضورؐ کا لائف سٹائل (Life style) عملی طور پر اپنایا جاتا ہے۔

ہمارے اسلامی ممالک بالخصوص پاکستان میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ چند باتیں ملاحظہ ہوں:

ا۔ چین کے تمام لوگ (مرد وعورت، امیر غریب، چھوٹے بڑے) سب ہی صبح سویرے اٹھنے کے عادی ہیں۔

۲۔ سات بجے سے پہلے سارا چین اپنی ڈیوٹیوں پہ حاضر ہوتا ہے۔

۳۔ دوپہر کو ہر شخص آدھ پونے گھنٹے کے لیے قیلولہ (مختصر آرام) کرتا ہے۔

۴۔ تمام ورکرز (Workers) پانچ بجے سے پہلے پہلے اپنے گھروں میں موجود ہوتے ہیں۔

۵۔ رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اٹھنا اُن کی قومی زندگی کا لازمی حصّہ ہے۔

۶۔ قناعت پسندی، انتہائی سادہ طرزِ بودوباش، اور غیر فیشن ایبل طرزِ زندگی اُن کا معمول ہے۔

۷۔ سچائی، محنت، ایفائے عہد اور اعلیٰ کوالٹی اُن کا خاص وصف ہے۔

پھر پریشانی کیا ہے؟

میرے اُس قریبی ساتھی نے انتہائی افسوس کے ساتھ یہ انکشاف کیا کہ چین میں مَیں نے کئی شہروں اور علاقوں سے اپنا مال تیار کروایا اور پاکستان لایا ہوں۔ لیکن انتہائی قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ جب بھی چینی مسلمانوں سے مال تیار کروایا ہے تو مجھے سخت خراب ہونا پڑا ہے۔ وعدے میں، کوالٹی میں اور ریٹ وغیرہ میں دو نمبری کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ جب کہ ہمارے خیال کے مطابق بے دین اور کافر چینی باشندوں نے ایسی شکایت کا ہرگز موقع نہیں دیا۔

سچی بات یہ ہے کہ میں یہ بات سن کر انتہائی رنجیدہ اور پریشان ہوں کہ کیا اسلام کے نام پر اسی طرح مسلمان دنیا میں اسلام اور پیغمبر اسلام کو بدنام کرتے رہیں گے۔

آخر کب تک......

پھر ہم اللہ سے گلے اور شکوے کرتے ہیں، بقول اقبال:

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر
پھر بھی ہم سے یہ گلہ کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو تُو بھی تو دلدار نہیں

پھر ہمیں جائزہ لینا پڑے گا کہ عملی طور پر اسلام حقیقت میں ہے کیا؟ جب ہم خود ہر معاملے میں اسلامی تعلیمات کا عملی طور پر مذاق اڑائیں گے، پیغمبر اسلام کی سیرت اور تعلیمات کے نام پر مسلمانوں کا قتلِ عام کریں گے، ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن ہونے کا عملی مظاہرہ کریں گے تو پھر کون ہم پر یقین کرے گا۔ ہائے افسوس......صد افسوس......!! بقول اقبال:

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کے بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؒ و چادر زہراؓ

افسوس ہائے افسوس!

خداوندا یہ تیرے سادہ لوح بندے کہ مر جائیں
کہ یہ درویشی بھی عیاری کہ ہے سلطانی بھی مکاری

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

آخر میں دکھے ہوئے دل اور جلے ہوئے سینے کے ساتھ مجھے ایک واقعہ بیان کرنے کی اجازت دیں جو کئی سال قبل کسی اخبار میں ایک دردمند مسلمان نے آپ بیتی کے طور پر لکھ کر بھیجا تھا، جسے پڑھ کر آج بھی میرا خون کھولتا ہے اور سارے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

لکھنے والا بیان کرتا ہے کہ وہ جوانی میں کسی نہ کسی جائز ناجائز طریقے سے انگلستان چلا گیا اور وہاں قانونی اور غیر قانونی طور پر مزدوری کرتا رہا۔ روپیہ پیسہ پاکستان بھیجنے کے کوئی خاطر خواہ انتظامات نہ تھے، لہٰذا اپنے انگریز مالک کے پاس ہی پیسے جمع کراتا رہا۔

دو ایک سال مزدوری کرنے کے بعد جب پاکستان آنے کا قصد کیا اور مسٹر ڈیوڈ (David) سے اُس نے اپنی رقم طلب کی تو اتفاق سے وہ انگریز مالک مکر گیا اور پیسے دینے سے انکار کر دیا۔ جس کا میرے پاس کوئی خاطر خواہ ثبوت یا ریکارڈ بھی نہیں تھا۔ میں سخت پریشان تھا۔ چند ایک مہربانوں سے بھی سفارش کروائی۔ ذاتی طور پر بھی منت سماجت کی۔ لیکن میرا مالک ذرّہ بھر رقم دینے پر کسی صورت بھی رضامند نہ ہوا۔ اسی دوران مجھے کسی انگریز ساتھی ورکر (Worker) نے مشورہ دیا:

مسٹر جمیل! تم اگر اپنی رقم (مزدوری) اس سے لینا چاہتے ہو تو علاقے کے پادری کو درخواست پیش کرو۔ مجھے امید ہے کہ تمہیں تمہاری رقم مل جائے گی۔

کہانی بیان کرنے والا لکھتا ہے کہ وہ سیدھا گرجا گھر (Church) چلا گیا اور اپنا مسئلہ اور دردِ دل حرف بہ حرف بیان کر دیا اور اپنی جملہ کوششوں کا بھی تذکرہ کر دیا جس پر پادری صاحب (Reverend Father) بہت رنجیدہ ہوئے اور مسٹر ڈیوڈ پر برہمی کا اظہار کیا۔ اور ساتھ ہی کسی پجاری کو ڈیوڈ (David) کو بلا بھیجنے کے لیے روانہ کیا۔ مجھے پادری صاحب نے امن سکون سے

بٹھایا۔ چائے پانی بھی پیش کیا۔ دل جوئی بھی کی۔ تسلی وتشفی بھی دی۔ کوئی آدھ پونے گھنٹے میں مسٹر ڈیوڈ پادری کے حضور حاضر ہوگیا۔ مجھے الگ کمرے میں چھوڑ کر پادری صاحب ڈیوڈ کو کوئی مقدس مورتی کے پاس لے گئے اور ٹھیک پانچ منٹ کے بعد واپس اُسی کمرے میں آگئے جہاں میں سوالیہ نشان بنا بیٹھا تھا۔

میرا دل بجھا ہوا تھا۔ میری ساری زندگی کی جمع پونجی ڈوبتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ ہزاروں وسوسے مجھ پر حملہ آور تھے کہ اس دیارِ غیر میں اگر مجھے میری مزدوری نہ ملی تو میرا کیا بنے گا۔ کیا میں کبھی بھی پاکستان نہیں جا سکوں گا، کیا میں اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کا زندگی میں دوبارہ چہرہ نہ دیکھ سکوں گا۔ اگر ڈیوڈ نے پادری کی بات بھی نہ مانی تو میں تو جیتے جی مرجاؤں گا۔ کیونکہ مجھے بھی اندیشہ تھا کہ ہمارے اپنے ملک میں بھی مسجد کے امام یا مولوی صاحب کو بھی لوگ عام کمی کمین کی جتنی عام طور پر اہمیت دیتے ہیں، ہائے یہ ہائے وہ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اُس وقت میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور میرا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا کہ جب مسٹر ڈیوڈ نے آتے ہی یہ الفاظ کہے کہ مسٹر جمیل! میں تم سے شرمندہ ہوں (I am very sorry, Mr. Jamil) کہ تمہیں بے جا دو ماہ پریشان کیا ہے۔ مجھے معاف کر دو، میں تمہیں تمہاری ساری رقم اور اس دو ماہ کی تنخواہ بھی ابھی دس منٹ میں پادری صاحب کی موجودگی میں پیش کر دوں گا۔

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا، لیکن جب پادری صاحب نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اپنا سر ہاں میں ہلایا تو میری جان میں جان آگئی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں پادری صاحب کے ہاتھ پاؤں چوم لوں اور شکریہ ادا کرنے کے لیے اس محسن کے اوپر سب کچھ نثار کر دوں۔

الغرض مجھے دس منٹ کے بعد اپنی کھوئی ہوئی ساری پونجی مل گئی اور مجھے تصور میں پاکستان اور لاہور کا ائرپورٹ، اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے مسکراتے چہروں اور خوشی کے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں گھومنے لگیں۔ گرجا گھر سے باہر نکلتے ہوئے اچانک میرے دل میں ایک خیال (وسوسہ) گھر کر گیا کہ آخر پادری صاحب نے مسٹر ڈیوڈ کو صرف پانچ منٹ میں کیا کہا۔ کونسی گیدڑ سنگھی سنگھائی کہ وہ فوری طور پر سب کچھ ادا کر دینے کے لیے تیار ہوگیا اور اُس نے مجھ سے معافی بھی مانگی۔

مجھ سے رہا نہ گیا اور چلتے چلتے میں نے ڈیوڈ (David) سے پوچھا کہ جناب! مجھے ہرگز چین نہیں آئے گا جب تک آپ مجھے یہ نہ بتائیں کہ آخر پادری صاحب نے آپ کو کس طرح نصیحت یا وصیت کی اور کونسے کلمات کا واسطہ دیا یا مقدس مورتی کا واسطہ دیا، یا عہد نامہ قدیم وجدید پر تمہارے دونوں ہاتھ رکھے، یا انجیل مقدس تمہارے سر پر رکھی۔ وہ کون سا عمل (جنتر منتر) پادری صاحب نے کیا کہ تم فوراً مجھے

لاکھوں روپے دینے پر تیار ہوگئے۔

مسٹر ڈیوڈ نے مجھے ٹالنے کی بڑی کوشش کی کہ چھوڑو تمہارا اس سے کیا واسطہ۔ تمہارا مقصد پورا ہو گیا۔ تمہیں رقم مل چکی ہے۔ تم پاکستان جاؤ اور موج کرو۔ اب مجھے مزید شرمندہ اور پریشان نہ کرو۔ لیکن مجھ پر تو گویا بھوت اور خبط مسلط ہو چکا تھا اور میں ہر صورت اس معمے کو حل کرنا چاہتا تھا، لہٰذا میں نے مسٹر ڈیوڈ کو اُسی پادری کا واسطہ دے کر درخواست کی کہ یار مجھ پر ایک احسان اور کر دو اور بتا دو کہ پادری صاحب نے تمہیں کیا کہا تھا۔

میرا اشتیاق، بے چینی اور بے قراری دیکھ کر مسٹر ڈیوڈ وہ جملہ بتانے پر تیار ہو گیا جسے سننے کے لیے میں انتہائی بے قرار تھا۔

لیکن وہ جملہ سننے کے بعد آج پندرہ سال بیت چکے، مجھے آج بھی رات کو سکون کی نیند نہیں آتی۔

میں جب اُس پادری کی بات اور اپنے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے کردار کا جائزہ لیتا ہوں تو میں اپنے ہی طور پر شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ چلّو میں پانی لے کر اُسی میں ناک ڈبو کر اپنے آپ کو ختم کر دوں لیکن سچی بات یہ ہے کہ سچائی کو چھپانا بہت بڑا ظلم ہے۔ اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرنا بلکہ گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھنا یہ بدترین گناہ ہے۔ بغاوت ہے۔ ڈھٹائی ہے۔ بے شرمی ہے اور انتہا درجے کی بے حسی ہے۔

اسلام کیا ہے؟......

میرا خیال ہے کہ اب اس سوال کا جواب دینے کے لیے مجھے مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔

آپ بحسن وخوبی جان سکتے ہیں کہ کاغذی اسلام کیا ہے، زبانی اسلام کیا ہے اور عملی اسلام کیا ہے۔

مجھ کو نہ چھیڑیو کہ پھر جوش عشق سے
بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفان کیے ہوئے
(غالب)

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس مفلسی میں عزتِ سادات بھی گئی

معزز قارئین کرام! ہم کیا کریں، ہم کدھر جائیں، ہم کس کی ماں کو ماسی کہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمیں کس کی نظرِ بد لگ گئی۔

ہائے اسلام تیرے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند تھا وہ ہالے نہ رہے

میرا دل چاہتا ہے کہ ہم خداوندان مکتب سے پوچھیں، اپنے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کے گریبان پکڑ کر انہیں جھنجھوڑیں اور سوال کریں:

نہ اِدھر اُدھر کی بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے راہزنوں سے گلہ نہیں تیری راہبری کا سوال ہے

تیرے ہوتے جنم لیا ہوتا
پھر کبھی تجھے ملا ہوتا
تو چلا کرتا میری پلکوں پر
کاش میں تیرا راستہ ہوتا
تو چلا آتا میرے جنازے پر
تیرے ہوتے ہی مر گیا ہوتا

(طاہر القادری)

زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے
ناجانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

(ساغر صدیقی)

مسٹر ڈیوڈ (Mr. David) نے اصل میں مجھے یہ بتایا تھا کہ پادری صاحب نے مجھے عیسیٰؑ کی قدِ آدم تصویر کے نیچے کھڑا کر کے صرف یہ سوال کہا تھا:

''مسٹر ڈیوڈ! تم کب سے مسلمان ہو گئے ہو؟''

اور میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ پادری صاحب میں ہر گالی سننے کو تیار ہوں لیکن یہ توہین آمیز گالی میری برداشت سے باہر ہے۔ میں فوراً رقم دے دیتا ہوں لیکن زندگی بھر مجھے دوبارہ کبھی یہ گالی نہیں دینا......!!

آ عندلیب مل کے کریں آہ زاریاں
تُو ہائے گل پکار، میں کہوں ہائے دل

مصنف کی دیگر کتب

آیئے قرآن سیکھیے
آیئے دین سیکھیے
آیئے رزق حلال کھایئے
آیئے حدیث سیکھیے
آیئے سلوک نقشبندیہ سیکھیے
آیئے تصوف سیکھیے
آیئے سیکھیے کہ دُعائیں کیسے قبول ہوتی ہیں
احوال المعارفین

ڈسٹری بیوٹرز

مینیجر مارکٹنگ : المعارف ۰ لاہور
0323-4169029

مینیجر مارکٹنگ : سخی داتا لجپال بک سینٹر
0321-4830017

سیرث فاؤنڈیشن
۸۵۵۔این۔سمن آباد ۰ لاہور